بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ

جب تم نے یہ بے بنیاد بات سنی تھی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور (کیوں نہ) کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ (النور:۱۲)



میزانِ عمرِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا 19 سالہ عاقل و بالغ دوشیزہ تھیں

اشاعتِ ثالث، ترمیم و اضافہ کے ساتھ

بریگیڈیئر حامد سعید اختر (ر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ

جب تم نے یہ بے بنیاد بات سُنی تھی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے دِلوں میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور (کیوں نہ) کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ (النور: ۱۲)

میزانِ عمرِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کے وقت

سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا 19 سالہ عاقل و بالغ دوشیزہ تھیں

اشاعتِ ثالث، ترمیم واضافہ کے ساتھ

بریگیڈیئر حامد سعید اختر (ر)

نام کتاب: میزانِ عُمرِ عائشہ رضی اللہ عنہا

مُصنّف: بریگیڈیر حامد سعید اختر (ریٹائرڈ)

کمپوزنگ: محمد جہانگیر عباس، خالد حسین

اشاعت:

اشاعت اوّل 2009 : ایک ہزار

اشاعت دوم 2011 : ایک ہزار

اشاعت سوم 2013 : دو ہزار

ملنے کا پتہ:

1۔ ادارہ تحریکِ رحمت نیو سپر ٹاؤن، لاہور، فون 042-36621121

2۔ نگارشات پبلشرز، 24 مزنگ روڈ لاہور 042-37322892

3۔ ضیاءُ القرآن پبلیکیشنز، داتا دربار، لاہور، فون 042-37221953

4۔ مصنف۔ 042-35722009

زمن بر صُوفی و مُلّا سلامے
کہ پیغامِ خُدا گفتند مارا
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت
خُدا و جبرئیلؑ و مُصطفیٰؐ را

(اقبالؒ درارمغانِ حجاز)

میری جانب سے صُوفی و مُلّا کو سلام پہنچے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات ہم کو سنائے۔ لیکن انہوں نے اُن احکامات کی جو شرح بیان کی، اُس نے اللہ تعالیٰ، جبرائیلؑ اور محمد مُصطفیٰؐ کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔

تاویل: Elucidation, Interpretation, construed meanings

اِنتساب

میں اپنی اِس حقیر تحقیقی کاوِش کو

اُمّ المومنین

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ط

کتابچہ "میزانِ عُمرِ عائشۃَ رَضِیَ اللّٰہ عَنھا" کے عوامی ایڈیشن کا تعارف

منجانب : ادارہ تحفظ ناموسِ رسالتؐ پاکستان

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عرضِ ناشر

[قارئین کی خدمت میں چند معروضات]

نبی آخرالزمان، حضرت محمد ﷺ کے تقدس کا دفاع ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ آفریں ہو بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) حامد سعید اختر صاحب پر جنہوں نے مغربی ممالک میں حضور ﷺ کے خلاف شائع ہونے والے انتہائی ہتک آمیز کارٹونوں (خاکوں) کا بروقت نوٹس لیا اور اُس گھناؤنے جرم کی تہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے خود ہی اپنے دشمنوں کو نبی پاک ﷺ کے پاکیزہ کردار میں عیب نکالنے کے لئے مواد اور مواقع فراہم کیئے۔ بقول شاعر ۔

اس گھر کو آگ لگ گئی، گھر کے چراغ سے !

حضور اکرم ﷺ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مبیّنہ کمسنی میں شادی کے حوالہ سے آپؐ کی ذات مبارک پر شرمناک حملے کئے جاتے ہیں حالانکہ مستند روایت اور ناقابل تردید تاریخی حوالوں کے مطابق حضور ﷺ سے نکاح اور رُخصتی کے وقت اُم المومنین، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر بالترتیب 16 اور 19 سال تھی۔ لغزش کا سرزد ہونا بشریت کا تقاضہ ہے۔ عُمرِ عائشہؓ کے سلسلے میں غلط سماع یا نسیان یا کتابت کی غلطی کی وجہ سے ستة عشر (16) اور تسعة عشر (19) کو صرف ستة (6) اور تسعة (9) سمجھا گیا اور اسے بھی غیر ارادی طور پر اصل حدیث کا حصہ بنا لیا گیا (کیونکہ محدثین، انبیاءِ کرام کی طرح معصوم عن الخطاء نہ تھے) جب کہ قرآن مجید (سورہ النساء، آیت ۶) میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ جب تمہارے زیرِ کفالت یتیم بچیاں بلوغت کو پہنچیں تو اُن کا نکاح کردو۔

سُورۃُ النِساَء کی اسی آیت حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِکَاحَ کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ اسلام میں نکاح بلوغت سے مشروط ہے۔ اور عورتوں میں بلوغت حیض آنے سے پہلے ممکن نہیں۔ گرم آب و ہوا والے ممالک میں بھی اوسطاً چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کو حیض کا آنا محال ہے۔ خود حکومت پاکستان، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے شادی کی کم از کم عمر بالترتیب 18 اور 16 سال مقرر کرنے پر غور کر رہی ہے۔ شادی کی عمر کا یہ مجوزہ

تعین شرعی لحاظ سے بلوغت کی عمر سے زائد ہے۔ قانونِ فطرت اور جدید طبی تحقیق کے مطابق 14/15 سال کی عمر سے بلوغت (Puberty) کا آغاز ہو جاتا ہے یعنی عورتوں میں ایام حیض کے شروع ہونے سے اور مردوں میں داڑھی مونچھ اُگ آنے اور مادہ تولید کے پیدا ہونے سے۔ اس فطری ترتیب کے باوجود ملک میں نابالغ بچیوں کی شادی کے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ ہمارے علماء کو چاہیئے کہ معاشرے میں شادی بیاہ کے معاملات میں ایسی خلافِ شرع رسم و رواج کی روک تھام کے لئے جدوجہد کریں کہ اسلام جیسے دینِ فطرت میں نابالغ بچی سے شادی اور مباشرت کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

قرآن مجید کے مطابق شادی (یعنی نکاح و رُخصتی) صرف نِساء (بالغ عورتوں) سے ہی جائز ہے۔ دینِ فطرت میں نکاح (شادی) کا بنیادی مقصد جائز (شرعی) طریقے سے جنسی تسکین اور افزائش نسل ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک نابالغ لڑکی قانون فطرت کی وجہ سے ازدواجی زندگی کے جملہ تقاضے (مباشرت یعنی وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت و شعور، اُمور خانہ داری یعنی کھانا پکانے کا طریقہ و تجربہ اور گھر کی نگہداشت وغیرہ) پُورے کرنے کی اہل اور متحمل ہی نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں وہ عدم بلوغت کی وجہ سے بچے بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا نابالغ لڑکی کو بیاہ کر لانے سے شادی کا سارا مقصد ہی سرے سے فوت ہو جاتا ہے۔ معاندین نے سیدہ عائشہؓ کی عمر کو اس لئے گھٹا کر لکھا ہے کہ وہ اُمُ المُومنین کے فضائل کو مٹانا اور قدر و منزلت کو کم کرنا چاہتے تھے۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ مگر بدقسمتی سے دورِ حاضر کے مسلمان سیرت رسول ﷺ سے کما حقہٗ آگاہ نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے تَدَبُّرفِی الْقُرآن اور غور و فکر کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اور غیر مصدقہ و مشکوک روایات کا سہارا لے کر اُم المومنین سیدہ عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت 6 سال اور شادی یعنی رُخصتی کے وقت 9 سال بتائی جاتی ہے۔ آج یہی فاش غلطی حضور ﷺ کی ذات اقدس پر گھناؤنے الزامات کا باعث بن رہی ہے اور جس کا ازالہ اس اس دور میں فرض اور واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی جذبے کے تحت بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر صاحب نے راتوں کی نیند کو قربان کر کے سالہا سال کی تحقیق و محنتِ شاقہ کے بعد اس موضوع پر اپنا گراں قدر مقالہ لکھا اور جولائی 2010ء میں اُسے ملکی اخبارات میں شائع کروایا جو بعد ازاں ترمیم و اضافہ کے ساتھ کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ اسکا تیسرا ایڈیشن حال ہی (یعنی 2013ء) میں طبع ہوا ہے اور جسکی عوامی سطح پر اشاعت برائے ترسیل فِی سَبِیلِ اللّٰہ، ادارہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ، پاکستان کے مقدر میں آئی ہے۔ بلا مبالغہ موئف نے نہایت لگن اور دیانت داری کے ساتھ قرآن و سُنت اور تعامل صحابہؓ کی روشنی میں تحقیق کا حق ادا کیا ہے اور اس

فریضہ کو احسن طریقے سے سرانجام دیکر 116 صفحات پر مشتمل کتابچہ بنام **میزانِ عُمرِ عائشہؓ** مرتب کیا۔ اگر اسے سال رواں کے تجدید دین کے کارناموں میں سے ایک کارنامہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ، موصوف کی محنت کو قبول و مقبول فرما کر اسے مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

بریگیڈیئر (ر) حامد سعید اختر صاحب ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اور اُن کے بارے میں ہرگز یہ تصور نہ کیا جائے کہ اُن کا تعلق کسی درجہ میں منکرین حدیث (پرویزی) کے طبقہ سے ہے۔ وہ صرف عُمر عائشہؓ جیسی بے بنیاد اور غیر مصدقہ روایات پر معترض ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اہانت کا موجب بن رہی ہیں۔ اُن کا نکتہ نظر یہ ہے (جس سے ہر سلیم الفطرت شخص اتفاق کرتا ہے) کہ سیدہ عائشہؓ کی کم سنی میں شادی کی روایت نہ تو قرآنی تعلیمات سے اور نہ ہی رَحْمَةُ الِلْعَالَمِين کی سیرت سے مطابقت رکھتی ہے اسلئے یہ ہرگز دُرست نہیں ہو سکتی۔ وہ تمام محبّانِ رسول ﷺ اور دردِ دل رکھنے والوں کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ ایک مشکوک اور غیر مصدقہ روایت کو دُرست ثابت کرنے کے لئے کہیں ہم بھی غیر ارادی طور پر رسول اللہ ﷺ کی ہتک اور رُسوائی کا موجب تو نہیں بن رہے؟ واضح رہے کہ ''حدیث'' کی تعریف کی رُو سے عمر عائشہؓ کی روایت حدیث نہیں ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا قول نہیں، چنانچہ اس کو حدیثِ فعلی کا درجہ دینے اور معتبر بنانے کے لئے نو سال کی عمر میں ''جنسی مقاربت'' کا قصہ گھڑ کر اسے مشتہر کرنیکی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔

فاضل مصنف (حامد سعید اختر صاحب) کا اُصولی موقف ہے (جسکی علمائے حق بھی تائید کرتے ہیں) کہ ہم ایسی روایات کی صحت کے عقیدے سے تائب ہو جائیں جن سے آپ ﷺ کی ذات اقدس پر حرف آتا ہے۔ اور ہمارے ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی موضوع (Fabricated) روایات کی پُر زور نفی کی جائے تاکہ ہم شافع محشر کی شفاعت سے محروم نہ رہیں۔ اُنکا Motto (مطمح نظر) یہ ہے کہ

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ ﷺ کے بعد

دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی اس پُر خلوص صفائی کے بعد اُن کے صحیح العقیدہ ہونے کے بارے میں شک و شبہ کرنا ناجائز اور خلاف شرع ہے۔

رسول کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں کارٹونوں (خاکوں) کی نوعیت کا ایک اور بے ادبی وگستاخی کا غیر شعوری مظاہرہ بھی یوں کیا گیا ہے کہ ہماری بعض کتب احادیث میں یہ روایت درج ہے کہ معراج شریف (سن ۱۰ نبوت) کی مبارک رات کو رسول اللہ ﷺ اُم ہانی کے گھر آرام فرما رہے تھے

کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور ﷺ کے پاس آئے اور انہیں کعبۃ اللہ لے گئے جہاں سے اسرا (مکہ سے بیت المقدس تک) اور معراج (بیت المقدس سے سات آسمانوں) کا سفر شروع ہوا جب کہ قرآن مجید یہ اعلان کر رہا ہے کہ آپ ﷺ پہلے سے خانہ کعبہ میں موجود عبادت میں مشغول تھے۔ ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

{ترجمہ: "وہ ذات پاک ہے جو ایک رات کے کچھ حصے میں اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، لے گیا تا کہ ہم اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"} (17:01)

قرآن مجید کی اس وضاحت کے بعد ہر سال 22 رجب کو معراج شریف کے موقع پر اخبارات، رسائل اور الیکٹرانک میڈیا پر اُم ہانی کے گھر رات آرام فرمانے کا مندرجہ بالا خلاف واقعہ اور موضوع روایت کا تذکرہ حضور ﷺ کی سیرت و کردار پر نہ صرف ایک بہت بڑا بدنما داغ ہے بلکہ ایک ایسی جھوٹی تہمت ہے جو ہر لحاظ سے توہینِ رسالتؐ کے زمرے میں آتی ہے۔ لھٰذا اس کا قلع قمع کرنا انتہائی ضروری ہے تا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دلوں میں کسی قسم کے شکوک و شبہات اور بدگمانی پیدا نہ ہو اور ایمان محفوظ رہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُم ہانی نامی خاتون کون تھی؟ عام پڑھے لکھے مسلمان ان کے بارے یا تو سرے سے ناواقف ہیں یا بہت کم جانتے ہیں۔ اُم ہانی، حضور ﷺ کے چچا ابُو طالب (جو مرتے دم تک ایمان نہ لایا) کی بیٹی تھی اور بعثت یعنی نبوت ملنے سے پہلے حضور ﷺ نے اپنے چچا ابُو طالب سے اُسکا رشتہ اپنے لئے مانگا تھا مگر چچا نے انکار کر دیا کیونکہ اُس کے ذہن میں تھا کہ وہ مکہ کے کسی سردار کے ساتھ اُس کی شادی کرے گا۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ چنانچہ ابُو طالب نے اپنی بیٹی اُم ہانی کا رشتہ ابُو جہل کے ایک مشرک رشتہ دار، ھُبیرہ بن ابی وھب مخزومی سے کر دیا لیکن وہ بد بخت بھی حضور ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان نہ لایا بلکہ اُلٹا اُنکی مخالفت اور دُشمنی پر اُتر آیا۔ فتح مکہ کے بعد جب حضور ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ کا یہ جانی دشمن وہاں سے عیسائی ملک نجران کی طرف بھاگ گیا اور بعد ازاں نجران ہی میں بحالتِ کُفر مرا۔

یہاں یہ بات ناقابل فہم ہے کہ حضور ﷺ کس طرح مکہ مکرمہ میں ایک غیر محرم مشرک ☆ عورت (اُم ہانی) کے ہاں رات قیام کر سکتے تھے جبکہ آپ ﷺ کا اپنا گھر وہاں موجود تھا اور آپ کی اہلیہ، سیدہ خدیجہؓ کی وفات (سن ۱۰ نبوت) کے بعد گھر میں نوجوان بیٹیاں اکیلی تھیں،

☆ اُم ہانی نے واقعہ معراج شریف کے گیارہ سال بعد یعنی بعد از فتح مکہ سن ۸ ہجری میں اسلام قبول کیا۔

آپ ﷺ اُن کو کس طرح تنہا چھوڑ سکتے تھے جب کہ آپ ﷺ حالت سفر میں بھی نہ تھے کہ رات کو کسی مجبوری کے تحت اُمِّ ہانی کے ہاں قیام ناگزیر ہو گیا تھا؟ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے خلاف شان ایک اور روایت جونیہ نامی عورت کے حوالہ سے بخاری شریف (کتابُ الطلاق، حدیث نمبر۴) میں درج ہے جو کہ ناقابل یقین ہے۔ لہٰذا ہمارے دینی مدارس کے قابل احترام اساتذہ کرام کو اس جیسی بے بنیاد اور مشکوک روایت کے دفاع میں اتنا آگے نہیں نکل جانا چاہئے کہ سرورِ کونین ﷺ کی سیرت طیبہ کی حرمت کو ہی پسِ پشت ڈال دیں۔

ہماری دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ ایسی بے ہودہ روایت کو زمین پر دے ماریں کہ یہ نبی ﷺ کے تقدس و تکریم کو پامال کرنے کی آل یہود (یعنی رفض) کی گہری سازش ہے جس کے تحت منافقین کا یہ ٹولہ اُمت مسلمہ میں ایسی جھوٹی روایات پھیلا کر اسکی دینی حمیّت کو بے حس بلکہ ختم کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (9/11) نائن الیون کے واقعہ کی برسی کے موقعہ پر امریکہ کے ملعون پادری، ٹیری جونز نے ۱۱ستمبر 2013ء کو قرآن مجید کے تین ہزار نسخوں کو مٹی کے تیل میں ڈبو کر جلانے کی جو اعلانیہ جسارت نیو یارک شہر میں کی، اُس کو سبق سکھانے کے لئے اُمت میں سے کوئی علم الدین شہید نہ نکلا۔ اس طرح صاحب قرآن، حضور ﷺ کی ذات اقدس کو مغربی ممالک میں نعوذ باللہ بے حیائی اور انتہا پسندی کی علامت (Symbol) بنا کر اقوام عالم میں مسلمانوں کو بدنام کر کے اُن کی تذلیل کی جارہی ہے!

ہمارے معاشرے میں بگاڑ کا ایک بڑا سبب قول و فعل کا تضاد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اسلئے اس سے اجتناب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اولین شرط ہے۔

اسلام مغرب کے سودی سرمایہ دارانہ نظام، ملحدانہ جمہوریت اور حیاء سے عاری دجالی تہذیب کے مقابلے میں ایک اعلیٰ وارفع نظام حیات پیش کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کو بذریعہ نظام خلافت نافذ کریں کیونکہ نظام خلافت کا قیام ہی ملکی سالمیت کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اس ضمن میں غیروں سے گلہ ہی کیا خود اپنوں نے اس دیرینہ ملی مطالبہ کو التواء میں ڈالنے کے لئے دینی بصیرت سے عاری ایسی حکمت عملی وضع کی ہے جس کے تحت ایک جانب تو بین المذاہب ہم آہنگی (Inter-Faith Harmony) پیدا کرنے کے لئے سیمیناروں کا انعقاد کیا جاتا ہے (جو کہ بذاتِ خود دین اسلام کو ناحق ثابت کرنے یا کم از کم اُسے ثانوی درجہ دینے کا ایک خطرناک مخفی پروگرام ہے) اور دوسری طرف لکیر کا فقیر بن کر واقعہ معراج شریف کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کا اُمِّ ہانیؓ کے گھر رات بسر کرنے والی بے سروپا اور رُسوا کُن روایت (جو دشمنان اسلام کے ذہنِ بد کی اختراع ہے) اور اس جیسی دیگر خرافات پر مبنی پروگراموں کو میڈیا پر عام کر کے

حضور ﷺ کے مثالی اخلاق و کردار کو داغ دار بنایا جارہا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ جھوٹے قصے کہانیوں کے ذریعہ حضور ﷺ کی چہیتی بیوی، اُم المومنین سیدہ عائشہؓ جنہیں ہم غلامانِ مصطفےٰ، بالغہ، عاقلہ، فاضلہ، فقیہہ اور عالمہ تسلیم کرتے ہیں، اُس مقدس ہستی کا مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت کو کم کرنے کی مذموم کوششیں کی جارہی ہیں۔ جو بمطابق حدیثِ نبویؐ، حضور ﷺ کو اذیت پہنچانے کے مترادف ہے۔

بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبال ؎

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

علمائے حق کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر وہ روایت جو قرآنی تعلیمات سے موافقت نہیں رکھتی یا حضور ﷺ اور ازواج مطہراتؓ کی شان میں تضحیک و تنقیص کا موجب بنتی ہے یا حضور ﷺ کی صحبت و تربیت یافتہ صحابہؓ کی مقدس جماعت کی کردار کشی کرتی ہے تو وہ باطل ہے چاہے وہ حدیث کی کسی بھی کتاب میں مذکور ہو کیونکہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے مگر کسی اور کتاب کا ذمہ نہیں لیا۔ لہٰذا اُن میں رد و بدل اور تحریف کا اندیشہ ہے۔

شخصیات اور روایات سے اندھی عقیدت کو عقیدہ بنا کر صحیح شرعی احکام سے ہی رُوگردانی کر لینا کہاں کی عقل مندی ہے؟ ہم صدق دل سے دعا کرتے ہیں کہ ایسی گمراہ کُن روایات کو دُرست سمجھنے والے حضرات تائب ہو کر اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر لیں۔ اسلئے کہ ایک اُمتی کی حیثیت سے ہم کو ایسی من گھڑت اور وضعی روایات کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھ کر مسترد کر دینا چاہیے کیونکہ حضور ﷺ سے بے پناہ محبت و عقیدت کے بغیر مسلمان کا ایمان ہی کامل نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن.

ترجمہ: ”تم میں سے کوئی ایک شخص بھی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اُس کے نزدیک میں (محمد ﷺ) اُس کے والد (یعنی آباء و اجداد) اور بیٹے (یعنی تمام اولاد) اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب اور عزیز ترین نہیں قرار پاتا۔“ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس حدیثِ نبویؐ کا اہل بنا کر حضور ﷺ کی شفاعت نصیب کرے۔ آمین

والسلام

عبدالرحمن

ناظم اعلیٰ، ادارہ تحفظ ناموس رسالتؐ، ناظم آباد۔ کراچی (پاکستان)

یوم عرفہ 09 ذی الحجہ، ۱۴۳۴ھ (بمطابق 14 اکتوبر، 2013ء)

حُسنِ ترتیب

دیباچہ

1۔ گستاخانہ خاکوں کا خاص موضوع عمرِ عائشہؓ

چند سال قبل ڈنمارک کے اخبار JYLLANDS POSTEN میں حضور ﷺ کے متعلق گستاخانہ خاکے شائع ہوئے اور مزید ابلاغ کی خاطر انہیں انٹرنیٹ پر بھی ڈال دیا گیا۔ 2010ء میں یہ مذموم مشق پھر سے دہرائی گئی، اور بد بخت گستاخانِ رسول ﷺ کے درمیان خاکے بنانے کے مقابلے کا باقاعدہ اہتمام بھی کیا گیا۔ راقم نے ان خاکوں کے مرکزی خیال اور موضوعات جاننے کے لیے معلومات حاصل کیں تو ششدر رہ گیا۔ ان خاکوں کا مرغوب ترین موضوع ایک کم سن بچی (سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بعمر 9 سال) سے حضور ﷺ کی مبیّنہ شادی کی روایت ہے جو کہ نہ صرف ہماری احادیث کی کتابوں میں موجود ہے بلکہ ہمیں اِس کی صحت پر بھی اصرار ہے۔ گویا:۔

ع ہم الزام اُن کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا

2۔ من آنم کہ من دانم

اس واقعہ کے بعد، میں حقیقتِ حال جاننے کے لیے کمربستہ ہو گیا۔ یہ ایک خالص علمی اور تحقیقی کام تھا جس کی نہ تو میں نے رسمی تربیت حاصل کی تھی اور نہ ہی ایسے مسائل پر میری گرفت تھی۔ اِس معاملے میں میرا راہبر اور رہنما دماغ کے بجائے میرا دِل تھا جو حضور ﷺ سے بے پناہ محبت اور عقیدت کے باعث مبیّنہ واقعے کو حضور ﷺ کے شرف کے خلاف قرار دیتا تھا۔ لہٰذا میں نے قرآنِ حکیم کی اس آیت کو مشعلِ راہ بنایا کہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ (آلِ عمران 159:3؛ جب پختہ ارادہ کرلو تو پھر اللہ ہی پر بھروسہ رکھو)۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کام کے لیے مجھے دستِ قدرت سے امداد فراہم ہوئی۔ حوالہ جات کی کتابیں مجھ پر بارانِ رحمت کی طرح

برسیں۔ جس دوست، واقف کار یا صاحبِ علم سے اشارۃً بھی ذکر کیا یا استعانت چاہی اس نے جی جان سے میری مدد کی۔

3۔ جب احادیث کی مطلوبہ کُتب اور حوالہ جات دستیاب ہو گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن کو جلا بخشی اور ایک ایک نکتے سے متعدد دلائل رقم ہوتے چلے گئے۔ یہ سب ربِّ رحمٰن ورحیم کی مہربانی اور اُس کی قبولیت کی نشانی ہے کیونکہ میرے پیشِ نظر نبی رحمت، ختم الرسل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دامن پر ایک مفروضہ اور ناکردہ عمل سے پڑنے والے چھینٹوں کو معدوم کرنے کا اعلیٰ ترین مقصد تھا۔

4۔ اظہارِ تشکر

اس سلسلے میں وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری، معروف عربی سکالر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، اور میرے دیرینہ دوست عبداللہ کوثر خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہیں میں وقت بے وقت فون کر کے مختلف تاریخی واقعات ونکات کی تصدیق اور عربی زبان کی باریکیوں سے آگاہی حاصل کرتا رہا۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے بھی انتہائی خندہ پیشانی سے مسودے پر نظر ثانی فرمائی۔ اِن سب کرم فرماؤں سے بڑھ کر جس فردِ واحد نے میرے ساتھ مثالی تعاون کیا وہ تحریکِ رحمت کے کرنل عابد حسین عابد (مرحوم) ہیں، جنہوں نے کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، فوٹو کاپیاں بنوانے، تصحیح شدہ کاغذات کی دوطرفہ ترسیل اور حوالہ جات واحادیث کی فراہمی کی ذمہ داریاں نہایت احسن انداز سے نبھائیں۔ ادارہ ''تحریکِ رحمت'' بھی خصوصی شکریے کا مستحق ہے جس نے اپنے تمام وسائل اِس نیک مقصد کے لیے وقف کئے رکھے۔ میں اپنے ناقدین کا بھی شکرگذار ہوں جن کی کڑی تنقید کے باعث ان کے اعتراضات رفع کرنے اور اِس کتابچے کا معیار مزید بہتر بنانے میں مدد ملی۔

5۔ اس کتابچے میں مذکور ہر ماخذ اور حدیث کا درست حوالہ دینے کی کوشش کی گئی ہے لیکن احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں کے سینکڑوں ایڈیشن مختلف ناشرین چھاپ چکے ہیں، لہٰذا صفحات کے

حوالے میں مغالطے کا امکان ہے۔اس صورت میں قارئین تصدیق کی ضرورت محسوس کریں تو مذکورہ باب یا موضوع کے ذیل میں درست ماخذ تک پہنچ سکتے ہیں۔

6۔ صحتِ روایت کے حوالے سے راویوں پر تبصرہ

یہ وضاحت ضروری ہے کہ زیر نظر کتابچے میں مذکورہ روایت کے راویوں کے متعلق نہ تو ہم نے کسی مرحلے پر ذاتی رائے کا اظہار کیا ہے نہ ہی یہ ہمارا مقام ہے۔محدّثین اور اسمائے رجال کے ناقدین نے صحتِ روایت کے حوالے سے تمام راویوں کی درجہ بندی کر رکھی ہے اوران کی آراء گذشتہ 12 صدیوں سے ہمارے علمی ذخیرے میں محفوظ ہیں۔ہم نے اُنہی کی رائے سے استفادہ کرتے ہوئے ہر راوی کے متعلق ماہرین کی مختصر رائے رقم کر دی ہے تاکہ قارئین درست نتیجے پر پہنچ سکیں۔

7۔صحیح بخاری ایک زیرِ تصنیف کتاب تھی

امام بخاریؒ نے 18 برس کی عمر میں احادیث جمع کرنا شروع کیں اور آخر عمر تک تصدیق کا عمل جاری رکھا۔شاہ ولی اللہ کا مشاہدہ ہے کہ صحیح بخاری کے موجودہ نسخے اور ترجمۃ الباب (عنوان باب) میں بہت بے ربطی اور سُوءِ ترتیب نظر آتی ہے (مکتوبات شاہ ولی اللہ صفحہ 171)۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض جگہ امام بخاریؒ نے ترمیم واضافہ کرنے کا ارادہ کر رکھا تھالیکن اجل نے فرصت نہ دی۔اسی لیے کہیں باب قائم کیا مگر اُس کے تحت حدیث درج ہونے سے رہ گئی۔کہیں حدیث لکھ لی تھی لیکن باب درج نہ ہوسکا۔اسی لیے قاری کو ابواب اور عنوانات میں بے ربطی محسوس ہوتی ہے اور موضوع کی مناسبت سے متوقع عنوان کے بجائے بہت سی احادیث غیر متعلقہ عنوانات کے تحت مرقوم پائی جاتی ہیں۔امام بخاریؒ جیسی کاملیت پسند شخصیت سے ایسی ناقص ترتیب بعید از قیاس ہے۔صاف ظاہر ہے کہ صحیح بخاری ایک زیرِ تصنیف کتاب تھی جس میں شامل احادیث کے موازنے، تصدیق اور تدوین کا عمل ہنوز تشنہ تکمیل تھا۔امام بخاریؒ کی وفات کے بعد ان کے شاگرد مؤلفین امام بخاریؒ کی کاملیت کے معیار کو نہ پہنچ پائے۔

8۔ صحیح بخاری کے مختلف نسخوں میں احادیث کی کُل تعداد یکساں نہیں

حافظ ابوالولید الباجی اپنی کتاب اسماء الرجال البخاری کے مقدمے میں تحریر کرتے ہیں ''ہم سے حافظ ابوذر رہروی نے بیان کیا کہ ہمیں ابواسحٰق مُستملی نے بتایا کہ میں نے صحیح بخاری کو اس کے اصل نسخہ سے جوفربری کے پاس موجود تھا، نقل کیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں بعض چیزیں نوناتمام ہیں اور بعض چیزوں کی تبییض (صاف کاپی) بن ہو چکی ہے۔ پھر ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیا۔'' ابوالولید الباجی کے مطابق ابواسحٰق مُستملی، ابومحمد سرخسی، ابو الھیثم کشمھینی اور ابوزید مروزی نے جو روایتیں بیان کی ہیں، ان سب روایتوں میں باہم تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہے۔ اسی طرح مختلف نسخوں میں دو سے تین صد حدیثیں کم یا زیادہ ہیں'' (تدریب الراوی صفحہ 30 اور مقدمہ فتح الباری جلد 1 صفحہ 6)۔ زیر تصنیف کتاب ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ اضافے ہونے سے رہ گئے اور کچھ قطع و برید کا عمل بھی نامکمل رہ گیا۔ بہت سی احادیث حاشیہ پر اور کچھ الگ پرچوں پر لکھی ہوئی پائی گئیں جنھیں نقل کرنے والوں نے اپنی صوابدید کے مطابق اصل کتاب میں شامل کر دیا (مقدمہ اسماء الرجال البخاری)۔ معلوم نہیں کہ اگر امام بخاریؒ کی عمر وفا کرتی تو وہ الگ سے لکھی ہوئی یادداشتوں کو اصل کتاب میں شامل کرتے یا نہ کرتے۔

9۔ سہو اور بھول چوک سے مُبرّا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (طٰہٰ 52:20)

انسانوں کے جدِّ امجد حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک کوئی انسان بُھول چوک، لغزش، نسیان اور ذہول سے مبرّا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکا۔ پہلی بھول حضرت آدمؑ سے ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کو بھول کر شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا بیٹھے۔ حضرت موسیٰؑ بھی حضرت خضرؑ سے بار بار عدمِ مداخلت کا وعدہ کر کے بھولتے رہے اور دورانِ سفر اپنی مچھلی کو بھول گئے۔ حضرت یونسؑ وحی کا انتظار کیے بغیر اپنی قوم کو چھوڑنے کی غلطی کر بیٹھے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے متعدد مواقع پر کسی واقعے کو بُھولنے کا ذکر کیا۔ سجدۂ سہو کی سہولت بھی سہوِ انسانی کی تلافی کے لیے ہی دی گئی ہے۔ معرُوف

اہلحدیث سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم جن کے ہاتھ پر سینکڑوں فرانسیسیوں نے اسلام قبول کیا، فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بالکل سچے ہیں لیکن میں (راوی) جھوٹا ہوسکتا ہوں، غلط فہمی کا شکار ہوسکتا ہوں، میرا حافظہ دھوکہ دے سکتا ہے؛ سننے یا سمجھنے میں غلطی ہوسکتی ہے، توجہ کی کمی یا شور کی وجہ سے میں نے کوئی لفظ نہیں سنا۔۔۔۔غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حدیث کا دوسروں تک ابلاغ اتنا یقینی نہیں رہتا جتنا قرآن کا یقینی ہے'' (خطبات بہاولپور صفحہ 36) نجانے ہمارے علماء نے کیسے یہ فرض کرلیا ہے کہ رواۃ (Narrators) کی بیان کردہ روایات میں غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر یہ مفروضہ درست ہوتا تو امام بخاریؒ چھ لاکھ احادیث کو مسترد کرکے صرف ساڑھے سات ہزار احادیث کو منتخب نہ کرتے۔ ''اصح الکتب بعد القرآن'' بھی کسی انسان ہی کا مقولہ ہے، کوئی قرآنی آیت نہیں جس سے اختلاف کرنا گناہ سمجھا جائے۔ سیّدہ عائشہؓ نے ایک حدیث سن کر صحابہؓ سے فرمایا ''بے شک تم لوگ سچے ہو لیکن سننے میں کبھی غلطی بھی ہوجاتی ہے (وَلٰکِنَّ السَّمْعَ قَدْ یُخْطِی)''۔ احادیث پر درایت، تحقیق اور سند کے اصول صحابہ کرامؓ اجمعین کے دور میں بھی لاگو تھے اور اس عمل پر اعتراض بیجا ہے۔

10۔ امام بخاریؒ کی اچانک وفات سے تصدیق وتحقیق کا عمل نامکمل رہ گیا

امام مالکؒ (93ھ سے 179ھ) ہشام بن عُروہ کے اہم ترین شاگرد ہیں لیکن انھوں نے سیّدہ عائشہؓ کی صغرسنی میں نکاح اور رخصتی کی روایت بیان نہیں کی کیونکہ اس وقت تک یہ روایت وضع ہی نہیں ہوئی تھی۔ 146ھ میں ہشام بن عُروہ کی وفات کے 40 سال بعد تک بھی یہ روایت منظر عام پر نہیں آئی تھی یہ روایت پہلی بار ہشام بن عروہ کے کوفی شاگرد علی بن مسہر نے امام بخاریؒ کی پیدائش سے دس سال پہلے سنہ 185ھ میں اپنے استاد کے حوالے سے بیان کی جب اِس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تھا۔ امام بخاریؒ (195ھ سے 256ھ) اور امام مسلمؒ (204ھ سے 261ھ) نے جن کا دور سب سے بعد کا ہے، یہ روایات اپنے مجموعہ احادیث کے لیے قبول کرلیں۔ زیرِ تصدیق ہونے کی بنا پر امام بخاری کے ذخیرہ احادیث کی حیثیت خام مواد کی تھی۔ امام بخاریؒ صحیح بخاری کی تدوین اور مزید تحقیق میں شبانہ روز مصروف تھے کہ اسی اثنا

میں رحلت فرما گئے۔ لہٰذا بہت سی روایات جو درایت پر پوری نہیں اترتیں اور جنہیں پہلو بہ پہلو رکھ کر موازنے (Juxtaposition) کے بعد یقیناً مسترد کر دیا جاتا، وہ تمام کی تمام ان کے شاگردوں نے بغیر کسی ترمیم یا مزید تصدیق کے صحیح بخاری میں شامل کر لیں۔

11۔ صحیح بخاری میں عُمرِ عائشہؓ سے متعلق متعدد متضاد احادیث شامل ہیں

زیر نظر کتابچے میں زیادہ تر حوالہ جات صحیح بخاری کے دیے گئے ہیں تاکہ قارئین آگاہ ہو سکیں کہ امام بخاریؒ کے مجموعہ احادیث میں عمرِ عائشہؓ سے متعلق متعدد متضاد احادیث شامل ہیں۔ اِس سے امام بخاریؒ پر تنقید مقصود نہیں۔ امام بخاریؒ نے ایک ایسے وقت میں کُفر و الحاد کے آگے مضبوط بند باندھا جب عباسی ملوک فلسفۂ یونان کے زیر اثر قرآنی احکام کی غلط تعبیر کر کے دین کا حُلیہ بگاڑ رہے تھے۔ تاہم کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ محدّثین، انبیا کرامؑ کی طرح معصوم عنِ الخطا تھے۔ ہمیں علم ہے کہ امام بخاریؒ ہر روایت تحریر کرنے سے پہلے دو رکعت نفل ادا کیا کرتے تھے جو کہ ان کی حسنِ نیت کی دلیل ہے۔ تاہم اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ کسی ثقہ راوی کی بیان کردہ روایت میں بھی غلطی کا کوئی امکان نہ تھا؟ احادیث بیان کرنے والے راوی نہ تو انسانی سطح سے اُوپر کی مخلوق تھے اور نہ ہی لغزشِ بشری سے مبرّا ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔

12۔ صحیح بخاری کے نسخے

امام بخاریؒ کے جن شاگردوں سے صحیح بخاری کی روایت کا سلسلہ چلا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(ا) ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی متوفی 294ھ

(ب) حماد بن شاکر النسفی متوفی 311ھ

(ج) محمد بن یُوسف الفربری متوفی 320ھ

(د) ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی متوفی 329ھ

(بحوالہ فتح الباری مصنفہ حافظ ابن حجر عسقلانی)

علامہ عبدالرشید نعمانی فرماتے ہیں۔ ''اگرچہ احادیث کی سماعت سولہ سال میں تمام ہوگئی مگر نظرِ ثانی اور اضافہ کا سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔ یہی وجہ ہے کہ فربری کے نسخہ میں (جنہوں نے اِسے امام بخاریؒ سے آخر میں سنا ہے) حماد بن شاکر کے نسخہ سے دوسو اور ابراہیم بن معقل کے نسخہ سے تین صد احادیث زیادہ مروی ہیں'' (تدریب الراوی صفحہ 30)۔

13۔غیر فقہی احادیث پر بحث وتنقید نہ ہوسکی

احادیث میں شامل فقہی مسائل کی جانچ پڑتال فقہائے کرام نے کی جبکہ روایتی لحاظ سے صحت و ضعف کا فیصلہ محدّثین نے احسن طریقے سے انجام دیا۔ تاہم سیرت، غزوات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواجِ مُطہراتؓ کے حالات، صحابہ کرامؓ کے باہمی تعلقات اور تاریخ سے متعلقہ واقعات کا روایت ودرایت ہردو پہلو سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اندھی تقلید اور عدمِ تحقیق کی وجہ ہی سے ہمیں ''عمرِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' جیسے متنازعہ معاملات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جنھیں عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ بقول اقبالؒ:-

حلقۂ شوق میں وہ جُرأتِ اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

(ضربِ کلیم)

14۔محدّثین نے احادیث کو اپنی صوابدید کے مطابق قبول یا ردّ کیا

امام بخاریؒ کی چھان پھٹک کے باوجود صحیح بخاری میں بعض ایسی احادیث بھی شامل ہیں جنہیں متقدمین نے درخورِ اعتنا نہ سمجھا تھا۔ دوسری جانب دیگر مجموعہ احادیث میں بعض ایسی احادیث شامل ہیں جنہیں امام بخاری نے قبول نہیں کیا۔ ایک محدّث کی رائے میں کوئی حدیث مُستند اور معتبر ہوسکتی ہے جو ممکن ہے کہ کسی اور محدّث کی نظر میں منکر ٹھہرے۔ لہٰذا حدیث کی حیثیت قُرآنِ کریم کی طرح قطعی نہیں ۔ کہاں کلام اللہ اور کہاں انسانوں کی زبانی بیان کردہ روایت! دونوں کے موازنے کا تصوّر بھی گناہ ہے۔ واضح رہے کہ قرآنی

احکامات سے متصادم روایات باطل ہیں چاہے ان کے راوی کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں۔

15۔ حدیث کی تدوین کے سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا محتاط رویّہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی ہی لکھی ہوئی بہت سی احادیث اِس خدشے کے تحت ضائع کر دیں کہ ان میں روایت بالمعنی کا امکان تھا یعنی انہیں اندیشہ تھا کہ جو احادیث انہوں نے دوسرے صحابہؓ سے سنی ہیں، شاید وہ ہو بہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ میں بیان نہ کی گئی ہوں۔ تاہم ہم تک پہنچنے والی بیشتر روایات باللفظ کے بجائے بالمعنی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں صحابہؓ سے مشاورت کے بعد احادیث کو سرکاری نگرانی میں جمع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو خدشہ تھا کہ دوسری اقوام کی طرح کہیں مسلمان بھی روایات کو کتاب اللہ پر ترجیح نہ دینے لگیں (خطباتِ بہاولپور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص 54-56)۔

16۔ خلاصۂ کلام

مندرجہ بالا حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ خلفائے راشدینؓ، اُمہات المومنینؓ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعین اور ائمہ کرام کے نزدیک حدیث کی حیثیت قرآنِ مجید کی طرح قطعی نہیں بلکہ ظنی معاملہ ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:-

ا	صحیحین میں متفق علیہ	174
ب	صرف صحیح بخاری میں	54
ج	صرف صحیح مسلم میں	67
د	دیگر کتب معتبرہ میں	2017

(رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ 155)

کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہوگا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی دیگر احادیث کے منکر تھے؟ کیا یہ منطق درست ہوگی کہ امام بخاریؒ صحیح مسلم میں درج 13 زائد

احادیث کے منکر تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ غلط استنتاج (Inference) ہے۔ ہر محدث نے اپنی تحقیق کی روشنی میں جن احادیث کو قوی اور مستند پایا انہیں اپنی صوابدید کے مطابق اپنا لیا۔ احادیث کی حیثیت قرآنی آیات کی طرح قطعی نہیں لہٰذا صحیحین میں شامل احادیث کو دلیل، درایت اور تاریخی حقائق کی روشنی میں پرکھنا ہرگز گناہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہمارے بنیادی عقائد صرف تین ہیں یعنی توحید، رسالت اور یوم آخرت پر ایمان۔ اِن کے ماسوا ہر وہ چیز جو منزّل من اللہ نہیں، زیر بحث لائی جاسکتی ہے۔

17۔ احادیث کی صحت کو جانچنے کا فن۔ نقدِ حدیث

ا۔ نقدِ حدیث کسی روایت کی صحت کو جانچنے کا ضابطہ ہے جس نے باقاعدہ فن کی حیثیت سنہ 180ھ کے لگ بھگ اختیار کی۔ اس سے پہلے بھی حدیث کی صحت کے متعلق جرح و تعدیل کی جاتی تھی لیکن اس کے قواعد مرتب نہیں ہوئے تھے۔ تابعین کا زمانہ اور تبع تابعین کا ابتدائی زمانہ دورِ نقلِ حدیث تھا جس میں راوی کا نام لئے بغیر محض حدیث بیان کی جاتی تھی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عن عمرؓ، عن عثمانؓ کہہ دینا کافی تھا۔ اِس سے پہلے کے دور میں بکثرت غیر ارادی تلفیق ہوئی یعنی مختلف روائتیں باہم گڈمڈ ہوگئیں۔ ان بزرگوں نے جو کچھ دیکھا یا سنا تھا، اُسے اپنی یادداشت اور حافظے کے مطابق ملا جلا کر بیان کردیا۔ یوں مختلف واقعات آپس میں خلط ملط (Mixed up) ہوگئے اور ان کا زمانی بُعد (Time gap) مٹ گیا۔ اُس وقت ان رواۃ (راوی کی جمع، Narrators) کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ ان کی غیر ارادی تلفیق (Conjoining different events) کتنے زبردست مغالطوں کا باعث بن جائے گی۔ اگرچہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے مرسلاتِ ثقہ کو بھی نقدِ حدیث کی کسوٹی پر پرکھے بغیر تسلیم نہیں کیا تاہم نقدِ حدیث کے دور سے پہلے کی روایات میں جو ادراج (Insertion) اور تلفیق ہوچکی تھی، وہ ''ثقہ کی روایت'' کی حیثیت سے صحاح میں بھی برقرار رہی کیونکہ دوسو سال قبل

کے واقعات کی مکمل پرکھ اور تصحیح تب ممکن ہی نہ تھی۔

ب۔ محدّثین اور ائمہ کرام نے احادیث کی چھان پھٹک کرتے ہوئے رواۃ کی شخصیت اور ثقاہت پر خصوصی توجہ دی لیکن علمِ تقویم اور علمِ ریاضی کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں احادیث میں بیان کردہ مختلف واقعات کے زمان و مقام (Time and Place) کا تعیّن کرنے میں دقّت پیش آتی ہے۔ اگر وہ ان روایات کا باہمی موازنہ بلحاظِ "وقت اور زمانہ" بھی کر لیتے تو کئی متناقض احادیث اُسی وقت مسترد کر دی گئی ہوتیں۔ اگر سالوں کی جمع تفریق کر کے مزید تصدیق کر لی گئی ہوتی، تو درست نتائج اخذ کرنا بدرجہا آسان ہوتا اور آج ہم تاویلات کے ذریعے متضاد احادیث میں تطبیق پیدا کرنے (Reconciliaion) میں مصروف نظر نہ آتے۔ محدثین نے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ "کس نے کہا ہے"۔ اگر وہ "کیا کہا ہے، اور جو کہا ہے وہ مکانی اور زمانی لحاظ سے ممکن بھی ہے یا نہیں" کو بھی اہمیت دیتے تو یقیناً بہتر نتائج اخذ کر سکتے۔

18۔ نقدِ حدیث کے چیدہ چیدہ نکات

ا۔ جو حدیث قرآن، احکام شریعہ اور اجماعِ قطعی سے متصادم ہو وہ باطل ہے، چاہے اُس کے راوی کتنے ہی مُعتبر اور ثقہ کیوں نہ ہوں۔ مثلاً کسی روایت میں خون پینے کا ذکر جب کہ از روئے قرآن خون حرام ہے۔

ب۔ جو حدیث انبیاؑ کرامؑ، اُمّہات المومنینؓ اور اصحاب رسولؐ کے کردار کے منافی دکھائی دے وہ منکر ہے۔

ج۔ جس حدیث کے راویوں میں سے کوئی ایک بھی غیر ثقہ ہو وہ غیر معتبر ہے۔ اِسی طرح ذاتی تعصب یا مفاد رکھنے والے راوی کی روایت بھی صحت کے لحاظ سے مجروح ہے۔

د۔ جس واقعے کا عام لوگوں کو علم ہونا چاہیے تھا لیکن وہ اس سے لاعلم ہیں تو اس بارے میں صرف ایک راوی کی بیان کردہ حدیث نا قابلِ قبول ہے۔

ہ۔ معجزات، نزولِ وحی، غیب اور فرشتوں وغیرہ جیسے معاملات کے سوا جو حدیث عام مشاہدے کے خلاف دکھائی دے وہ ناقابلِ قبول ہے۔

و۔ اگر حدیث عقلِ سلیم (درایت) یا مسلمہ اصولِ شریعہ کے خلاف ہے تو وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے چاہے راوی کتنے ہی معتبر ہوں مثلاً بول و براز کا پاک قرار دیا جانا وغیرہ یا ایسی حدیث جس میں معمولی بات پر سخت عذاب کی تنذیر یا معمولی عمل پر غیر معمولی اجر کا بیان کیا گیا ہو۔

ز۔ جو حدیث بے سرو پا اور غیر منطقی ہو مثلاً کدو کو ذبح کیے بغیر نہ کھاؤ، وضع ہے۔

ح۔ قرائن کے خلاف واقعے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا چاہے راوی کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں۔ مثلاً صحیح بخاری اور مسلم میں مرقوم حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی تیمم جنابت کی حدیث سے حضرت عمرؓ کے انکار کی روایت۔ چونکہ قرآن میں تیمم جنابت سے متعلق احکام نازل ہو چکے تھے لہٰذا یہ امر قرائن کے خلاف ہے کہ حضرت عمرؓ ان احکام سے ناواقف ہوتے اور اس حدیث کو درست تسلیم کرنے میں متأمّل ہوتے۔

ط۔ اگر حدیث کی بنیاد امرِ حسی یعنی مشاہدہ اور سماعت کے بجائے ذاتی قیاس اور گمان پر ہو تو کثیر تعداد میں ثِقہ راویوں کے باوجود وہ درست نہ ہو گی مثلاً حضورؐ کچھ عرصہ اپنی ازواجؓ سے علیٰحدہ رہے تو بیشتر صحابہؓ نے قیاس کر لیا کہ آپؐ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ صحابہ کرامؓ ثقہ راوی تھے لیکن ان کی رائے ذاتی قیاس اور ظن پر مبنی تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس غلط قیاس کی تردید کر دی۔

ی۔ متواتر حدیث میں ظن کا گمان کم ہے لیکن خبرِ واحد میں ہر قدم پر ظن ہے۔ (زیر بحث روایات کے واحد مبینہ راوی ہشام بن عروہ ہیں)۔

ک۔ کسی راوی کی اُوپر والے راوی سے ملاقات، سماع اور اخذ ثابت نہ ہو تو اس کی روایت منقطع ہونے کی بنا پر ناقابلِ قبول ہے۔ (زیر بحث روایت میں انقطاع عدم سماعت اور

تدلیس بالکل واضح ہے)۔

ل۔ اگر راویوں کی کڑی میں سے کوئی کڑی غائب، یا راوی ناقابلِ شناخت ہے یا کسی ضعیف راوی کو ترک کر کے سلسلہ روایت مزید اُوپر والے راوی سے جوڑ دیا گیا ہے تو ایسی منقطع روایت ناقابلِ قبول ہے۔

ان میں ایک سنہری اصول کا مزید اضافہ کرلیں کہ اگر کسی مستند ترین کتاب میں معتبر ترین راوی سے مروی، قوی ترین ایسی حدیث پائی جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجموعی کردار سے مطابقت نہ رکھتی ہو اور جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیس و تکریم پر حرف آتا ہو تو ایسی ہر روایت مرُدود ہے۔

19۔ زیرِ بحث روایت کی صحت کو جانچنے کی کسوٹی

حدیث کی صحت کا معیار قرآنی احکام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ ہے

ایک محدود طبقے کے سوا، ہر سلیم الفطرت شخص اس امر سے اتفاق کرتا ہے کہ سیّدہ عائشہؓ کی کم سنی میں شادی کی روایت نہ تو قرآنی تعلیمات سے اور نہ ہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے مطابقت رکھتی ہے، نہ ہی اسے حدیث میں شمار کرنا چاہیے۔ روایت کی صحت کا معیار قرآنی احکام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ ہے۔ زیرِ بحث روایت حضورؐ کی سیرت سے عدم مطابقت اور قرآنی تعلیمات سے متصادم ہونے کی بنا پر ایک باطل روایت ہے۔

20۔ احادیث کی درایت پر سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا موقف

درایت سے مراد مشاہدے، تجربے اور علم کی بنیاد پر حاصل کردہ فہم و دانش ہے جو ہمیں درست اور نادرست میں تمیز کا شعور دیتی ہے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ حدیث کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو لیکن اگر حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے تو ایسی روایات کو محض صحتِ سند کے زور پر درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 337)۔

21۔اس کتابچے کا مقصد اہلِ مغرب کے اعتراضات رفع کرنا نہیں

اہلِ مغرب کے اعتراضات رفع کرنے کی خاطر اپنی دینی روایات کو ترک کر دینا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں۔ ہشام بن عُروہ کی بیان کردہ روایت جس کی بنا پر ہمارے کچھ علما نابالغ بچیوں سے نکاح اور مباشرت کو جائز قرار دیتے ہیں، درجنوں خامیوں اور نقائص کا شاہکار ہے۔

ا۔ کم سن نابالغ بچی سے مباشرت قرآنی احکام قانونِ فطرت اور اصولِ شریعہ کے خلاف ہے۔

ب۔ نابالغ بچی سے جنسی مقاربت رحمتُ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ کے منافی عمل ہے۔

ج۔ سیّدہ عائشہ کی وفات کے 127 سال بعد یعنی سنہ 185ھ تک یہ روایت کہیں سننے میں آئی نہ کسی حدیث کی کتاب میں شامل ہوئی۔ اس روایت میں انقطاع، عدم سماعت اور تدلیس بالکل واضح ہے۔

د۔ اِس کے اوّلیں راوی مکی اور مدنی نہیں بلکہ عراقی اور مصری تھے جنھوں نے سنہ 225ھ میں اسے مشتہر کیا۔

ہ۔ اس روایت سے منسلک حالات، واقعات، تاریخی حقائق، سیاق وسباق، رسوم ورواج اور معاشرتی ماحول گویا تمام قرائین اس روایت کی قطعی تردید کرتے ہیں۔

و۔ امام بخاریؒ نے ھشام بن عروہ کی روایات کے علاوہ دیگر روایات کو بطور مطابع (تائیدی) بھی قبول نہیں کیا۔ کیونکہ امام زہری کا عروہ سے سماع ثابت نہیں ہوتا اور دیگر راویوں نے کثرت سے تلفیق تدلیس استنتاج اور ادراج کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا اُن کی صحت روایت نا قابل اعتبار ہے۔ لہٰذا مذکورہ روایت ''خبر واحد'' ہونے کی بنا پر ہر اعتبار سے مشکوک ہے۔

ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتیوں کی توجہ اس جانب مبذول کروانے کی سعی کی ہے کہ کم سِن نابالغ لڑکی سے نکاح اور مباشرت قرآنی احکام کے سراسر خلاف ہے اور اس خلافِ قرآن فعل کو نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منسوب کرنا سیرتِ طیّبہ کے متعلق صریح بدگمانی ہے۔

22۔ کیا یہود و نصاریٰ کے ہاں ایک خلافِ فطرت فعل کا اِرتکاب اُس کی قبولیت کا جواز بن سکتا ہے؟

ہمارے چند ناقدین نے مغربی ممالک میں کم سنی میں ناجائز بچوں کو جنم دینے والی لڑکیوں کے واقعات بیان کر کے سوال اُٹھایا ہے کہ اہلِ مغرب تو سراسر حرام کاری میں ملوث ہیں، لیکن ہم وہی کام شرعی طریقے سے کرنا چاہیں تو وہ ہم پر کیوں معترض ہوتے ہیں؟ یہاں یہ نکتہ سمجھنے کی اشد ضرورت ہے کہ نابالغ لڑکی سے مباشرت ہر حال میں قانونِ فطرت کے منافی، تعامل معاشرہ کے خلاف، حقوق نسواں کا استحصال اور شرفِ انسانیت کی توہین ہے۔ قبل از بلوغ مقاربت تو جانوروں اور پرندوں میں بھی مشاہدے میں نہیں آتی۔ اگر اہلِ مغرب کے ہاں حرام کاری کی کوئی سزا مقرر نہیں تو اُس سے اہلِ اِسلام کے لیے نابالغ لڑکی سے جنسی مقاربت کا جواز کیونکر فراہم ہوسکتا ہے؟ ہماری ہدایت کا سرچشمہ قرآنِ حکیم ہے، اہلِ مغرب نہیں۔ بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ مغرب میں جو فعل خلافِ قانون قرار دیا گیا ہے ہم نے اُسے قرآنی احکام کی غلط تاویل کر کے شرع کی آڑ میں جائز قرار دے رکھا ہے۔ بناء صغیرہ (نابالغ لڑکی سے جنسی مقاربت) ہر حال میں ناجائز اور ممنوع ہے۔ اِس خلافِ فطرت فعل کے دفاع میں کچھ کہنا یوں ہی ہے کہ "وہ ہمیں مجرم کیسے کہہ سکتے ہیں، وہ تو خود مجرم ہیں"۔ جرم بہر حال جرم ہی ہے چاہے اس کا ارتکاب اہل اسلام میں ہو یا غیر مسلموں میں۔

23۔ دینی معاملے میں عُمر کے دُرست تعیّن کی اہمیت

سرزمینِ عرب میں قمری کیلنڈر کی عدم دستیابی کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے لے کر سنہ 16ھ تک کے واقعات کے زمانی تعیّن کا انحصار اہم واقعات اور یاد داشت پر ہے۔ اسی وجہ سے عمروں کے تعیّن میں بھی بہت زیادہ تضاد بیانی پائی جاتی ہے۔ یہ تضاد اگر غیر اہم تاریخی واقعات میں ہو تو اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسی روایات جن کا اثر دینی عقائد یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر پڑتا ہو، ان کے سنین اور زمانی

تعیّن (Determination of years and time) میں مکمل تحقیق اشد ضروری ہے۔ عمرِ عائشہؓ بھی ایک ایسا ہی مسئلہ ہے، کیونکہ اسے بنیاد بنا کر ایک طبقے نے نابالغ لڑکیوں سے نکاح اور مباشرت کو مباح قرار دے رکھا ہے۔

24۔ باطل تاویلات کے ذریعے ہشام بن عُروہ کی روایت کی تطبیق کی بے سُود کوشش

جب حدیث کی ایک ہی کتاب میں کسی ایک موضوع پر بظاہر متضاد احادیث پائی جائیں تو علماء کرام ان میں تاویلاً مطابقت (Reconciliation) پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ متضاد روایات کا اختلاف دُور ہو جائے۔ اس کتابچے کا پہلا ایڈیشن چھپنے کے بعد چند اصحاب نے راقم سے رابطہ کیا اور ''عملِ تطبیق'' سے ان متضاد احادیث میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان حضرات کا کہنا تھا کہ باکرہ سے مراد صرف ''بالغ دوشیزہ'' ہی نہیں بلکہ ایسی نابالغ لڑکی بھی تو ہو سکتی ہے جسکی دوشیزگی برقرار ہو۔ انہوں نے اتفاق کیا کہ سُورہ قمر مکی سُورت ہے تاہم ان کا اصرار تھا کہ اس کی مذکورہ آیت (46:54) مدنی ہے۔ انہوں نے سُورہ طلاق (65) کی آیت نمبر 4 کے حوالے سے نابالغ غیر حائضہ لڑکی سے نکاح اور مباشرت کو جائز قرار دیا۔ قصہ مختصر، ایسے تمام اصحاب یہ ثابت کر رہے تھے کہ اگر سیدہ عائشہؓ شادی کے وقت نابالغ بھی تھیں تو نابالغ لڑکی سے نکاح اور مباشرت (استغفر اللہ) ازرُوئے قرآن مباح ہے۔ بقولِ اقبالؒ:-

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(ضربِ کلیم)

ایسی باطل تاویلات کے مسکت جوابات بھی زیرِ نظر کتابچے کے متن میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

25۔ ہشام بن عُروہ کی روایت پر مبنی بناء صغیرہ کی حِلّت ہرگز ایک طے شدہ مسئلہ نہیں

ایک مخصوص سوچ کے افراد زیرِ بحث روایت کی بنا پر نابالغ بچی سے جنسی مقاربت کو ایک طے

شدہ مسئلہ قرار دیتے ہیں جو کہ ازروئے قرآن وسیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز درست نہیں۔ کیا دینِ کامل میں نابالغ بچیوں کے کوئی حقوق نہیں؟ کیا بنتِ حوّا کو کسی بھی عمر میں انسانی ہوس کی بھینٹ چڑھا دینا دینِ فطرت کی تعلیم ہوسکتی ہے؟ ان اصحاب کا بناء صغیرہ (کم سن بچیوں سے جنسی مقاربت) کو جائز (بلکہ سنت) قرار دینا قطعاً غلط ہے کیونکہ نکاح بلوغت سے مشروط ہے اور اس موضوع پر قرآنِ مجید میں واضح احکام موجود ہیں۔ قرانِ حکیم، سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، احکامِ شرعیہ سے متصادم، عقلِ سلیم، نقدِ حدیث اور معاشرتی دستور کے خلاف یہ روایت قطعاً درست قرار نہیں پاتی۔ شخصیات اور روایات سے اندھی عقیدت کو عقیدہ بنا کر درست شرعی احکام سے ہی کنارہ کشی کر بیٹھنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

26۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے والا عقیدہ

ایک حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ''لا تو ذینی فی عائشہ'' (مجھے عائشہؓ کے معاملے میں اذیّت مت دو)۔ ایک ضعیف البنیا د روایت کی آڑ لے کر آیاتِ مبین کی غلط تعبیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق گمراہ کن تصوّر کی تشہیر سراسر اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے جس پر سخت وعید آئی ہے (توبہ 61:9؛ اعراف 180:7)۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ کہیں ہم بھی سیّدہ عائشہؓ کے معاملے میں نادانستہ طور پر اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی کا باعث تو نہیں بن رہے؟ ہم صمیمِ قلب سے دُعا کرتے ہیں کہ اس گمراہ کن روایت کو درست سمجھنے والے امتی بطور راسخ العقیدہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے متعلق بدگمانی سے تائب ہو جائیں اور شانِ نبوت کے خلاف اس غیر انسانی فعل کو شرفِ انسانیت، رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کرنے والے عقیدے سے رجوع فرمالیں۔ آمین

بریگیڈیر (ریٹائرڈ) حامد سعید اختر

پیغمبرِ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تقدیس وتکریم ہر شخصیّت اور روایت سے مقدّم ہے

1۔ حروفِ تعارف

سُورۃ بقرہ کی آیت نمبر 285 کے مطابق ''تمام مومنین اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروںؑ پر ایمان رکھتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروںؑ میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔'' تاہم اہلِ مغرب اور مستشرقین آزادیِ اظہارِ رائے کی آڑ میں اپنے پیغمبروںؑ پر شرمناک اتہام تو لگاتے ہی ہیں لیکن ان کا خاص ہدف پیغمبرِ آخرالزّماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ ماضی میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس کو گستاخانہ خاکوں اور مضامین کے ذریعے تضحیک کا نشانہ بنا کر مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کیا گیا ہے۔ تاہم مسلم ممالک کی جانب سے اپنی ہی قومی املاک کو نقصان پہنچانے کے سوا کوئی مثبت اور جامع ردِعمل سامنے نہیں آیا۔

2۔ گستاخانہ خاکوں کے موضوعات

مسلم اُمّہ کی خاموشی سے شہ پا کر ناروے، ڈنمارک، ہالینڈ اور امریکہ نے 2010ء میں ایک قدم مزید آگے بڑھ کر گستاخانہ خاکے بنانے کے مقابلے کا اہتمام کیا۔ خباثت اور شیطنت کے مظاہرے کے لیے متعدد پہلوؤں سے حملہ کیا گیا جن میں پانچ موضوع سرِ فہرست ہیں:-

(الف) قرآنی آیات کا غلط ترجمہ اور تشریح۔ (ب) جہاد سے متعلقہ آیات کو سیاق وسباق سے علاحِدہ کر کے غلط انداز میں پیش کرنا۔ (ج) حجاب کو عورتوں کی آزادی Emancipation اور بنیادی انسانی حقوق کے خلاف قرار دینا۔ (د) حضورؐ کے تعددازواج کے گھسے پٹے موضوع پر ازسرِنو ''عورتوں کے حقوق'' کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کردار کشی۔ (ہ) اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ سے کم عُمری میں مبیّنہ شادی کو جواز بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پر

ناقابلِ برداشت رکیک الزامات۔

3۔ گستاخانہ خاکوں کا خاص موضوع 9 سالہ کم سن بچی سے شادی

ان میں سے پہلے چار موضوعات پر تو عالم اسلام اور علمائے کرام کی جانب سے مدلّل جواب دینے کا سلسلہ جاری ہے، لیکن مؤخّر الذکر موضوع پر امتِ مسلمہ کی تحقیق نامکمل اور علمائے جمہور کی رائے منقسم ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ امتِ مُسلمہ نے پہلے تو بلا تحقیق متعدد بے بنیاد اور خلافِ عقل روایات کو حدیث سمجھتے ہوئے اپنا لیا۔ اِس کے نتیجے میں جب شرفِ انسانیت حضور صلعم کا دامن آلودہ ہوتا دکھائی دیا تو ہم نے ایک کمزور سی دفاعی پوزیشن اختیار کر لی کہ ''عرب ممالک کی گرم آب وہوا میں لڑکیاں جلد بالغ ہو جاتی تھیں''۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

4۔ اندھی تقلید اور عدمِ تحقیق

ازمنہ وسطیٰ کے مشہور عیسائی متکلّم اِنسَلِم نے کہا تھا، ''میں پہلے عقیدہ رکھتا ہوں، پھر غور وفکر کرتا ہوں''۔ امتِ مسلمہ نے، انسلم کی تقلید میں پہلے تو اِن غلط روایات کو اپنا جزوِ ایمان بنا کر خود پر غور وفکر کے راستے مسدود کر لیے اور پھر علم الکلام کا سہارا لے کر آج تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناکردہ عمل کو درست قرار دینے پر اپنی توانائیاں صرف کرتی رہی ہے۔ گویا پہلے تو ہم نے یہ غیر معقول بات تسلیم کر لی کہ حضورؐ نے پچپن برس کی عمر میں ایک نو سالہ نابالغ بچی سے شادی کی تھی اور پھر اِس عمل کو درست ثابت کرنے کے لیے بودے، غیر حقیقی اور غیر منطقی دلائل مع قُرآنِ حکیم کی تاویل بالباطل کا سہارا لیا۔ اِس طرح اُمّتِ مُسلمہ ایک ایسے واقعے کو درست تسلیم کر کے اُس کا دفاع کرنے لگی جو کہ وقوع پذیر ہی نہیں ہوا تھا۔ بقول اقبالؒ:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمّت روایات میں کھو گئی

(بال جبریل)

5۔ اس کتابچے کی قوّتِ محرکہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق راقم کے ذہن میں جو ایک عظیم ترین شخصیت کا تصور تھا، اُسے پہلا دھچکا اُس وقت لگا جب میں نے سنِ شعور کو پہنچنے پر یہ روایت سنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچپن سال کی عمر میں سیّدہ عائشہؓ سے شادی کی جن کی عمر صرف 9 سال تھی۔ میرے ذہن نے سرچشمۂ رحمت و ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالی مرتبت شخصیت کے متعلق اس روایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میں جب بھی ایک نو سالہ بچی کی شادی کا تصور ذہن میں لایا تو میری رُوح تک لرز اٹھی کیونکہ نو سالہ کم سِن بچی ازدواجی تعلقات کی کوفت برداشت ہی نہیں کر سکتی۔ ایسے مواقع پر میں نے ہمیشہ لاحول پڑھی اور اللہ سے دُعا کی کہ اگر مبینہ واقعہ درست ہے تو اس کی مصلحت سے مجھے آگاہ فرما اور میرا ایمان مستحکم کر۔ لیکن اگر یہ روایت غلط ہے تو مجھے حقیقت تک پہنچنے کی توفیق عطا فرما۔ اس دُعا کو شرفِ قبولیت نصف صدی کے بعد ملا، جس کی تفصیل دیباچے میں بیان کی جا چکی ہے۔

6۔ کم سن بچیوں کی شادی کے ہولناک نتائج

دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو روم، مصر، قدیم عرب، ایران، بغداد اور ہندوستان میں فحاشی کے بڑے بڑے مراکز دکھائی دیتے ہیں لیکن کم سن بچیوں سے شادی کی رسم کہیں بھی نہیں رہی۔ البتہ قدیم ہندوستان میں مذہب کی آڑ میں بچپن کی شادیوں کا عام رواج تھا۔ 1927ء میں کیتھرائین میو نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب Mother India میں اس رُوح فرسا منظر سے یوں پردہ اُٹھایا:-

"1891ء میں ہندوستان میں دس سے پندرہ سال کی بچیوں کی شادی کی شرح 51% اور 1921ء میں 40% تھی۔ نوعمری میں جن لڑکیوں کی شادی جوان مردوں سے کی گئی، ان میں سے بیشتر یا تو عمر بھر کے لیے معذور ہو گئیں یا مر گئیں۔ انگریز نرسوں کی رپورٹس کے مطابق ایک نو سالہ لڑکی شادی کے اگلے دن ہسپتال میں لائی گئی تو اس کے نسوانی اعضاء کا گوشت

چیتھڑوں کی طرح لٹک رہا تھا۔ دوسری نوسالہ بچی کی حالت اس سے بھی بدتر تھی اور اس کا آپریشن بھی ممکن نہ تھا۔ تیسری لڑکی جس کی عمر سات سال تھی، شادی کے تیسرے دن تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ چوتھی دس سالہ لڑکی جو ہسپتال میں لائی گئی وہ معذور ہو چکی تھی اور اپنی شادی کے بعد سے چوپایوں کی طرح ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتی تھی۔ ہندوؤں کی اس معاشرت کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا اور 1921 میں نچلے طبقے کے کم تعلیم یافتہ مسلمانوں میں دس سال سے کم عمر کی لڑکیوں کی شادی کی شرح ہندوؤں سے بھی زیادہ تھی''۔

(Marriage East and West by David and Vera Mace, Page 193-194 and "Mother India" by Miss Mayo, Page 61 and 198.)

مندرجہ بالا طبّی حقائق آج بھی تبدیل نہیں ہوئے، اسی لئے زیر بحث روایت کو درست سمجھنے والے حضرات بھی اپنی نابالغ بچیوں کی شادی کبھی نہیں کرتے کیونکہ یہ عمل خلافِ فطرت ہے۔ تاہم اسی خلافِ قرآن اور خلافِ فطرت فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرنے کی جسارت کرتے ہوئے ذرا نہیں ہچکچاتے۔

7۔ وہ مبارک ماحول نابالغ بچیوں کے حق میں نامبارک کیونکر ہو سکتا تھا؟

ہمارے ایک کرم فرمانے سراسر جذباتی تبصرہ کیا ہے کہ ''ان مسائل پر بحث و تمحیص میں الجھنے کے بجائے اس پاکیزہ ماحول پر غور کریں جس میں یہ مبارک نکاح وقوع پذیر ہوا''۔ ایک اور ناقد فرماتے ہیں کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند اور سیدہ عائشہؓ کے والدین کی مرضی سے طے پانے والے رشتے پر اعتراض کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں؟'' ہمارا موقف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا فعل ثابت ہی نہیں ہوتا۔ سوال ہے کہ کیا (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق قرآنی احکام کی عملی تفسیر نہیں تھے؟ کیا قرآن کی رُو سے نابالغ بچیوں سے نکاح اور مباشرت جائز ہے؟ کیا پیغمبرِ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیّبہ کے متعلق یہ سُوءِ ظن درست عمل ہے؟ کیا اُس مبارک ماحول میں نو سالہ بچی سے مباشرت جائز تھی؟ کیا وہ مبارک ماحول نابالغ بچیوں

کے حق میں نامبارک ہوسکتا تھا؟ کیا اُس مبارک ماحول میں کم سن بچیاں ازدواجی تعلقات کی کوفت بطیبِ خاطر برداشت کر لیتی تھیں اور اُس سے آسودگی پا سکتی تھیں؟۔ خدارا سوچیے اور اپنے قلوب واذہان پر پڑے ہوئے قفل کھولیے۔

علامہ اقبالؒ کے ایک شعر کی تحریف پیش خدمت ہے۔

تحقیقِ نو سے ڈرنا قولِ کہن پہ اڑنا　　منزل یہی کٹھن ہے مُسلم کی زندگی میں

8۔ گزشتہ پچاس برسوں میں راقم نے اس موضوع پر سینکڑوں افراد سے تبادلہ خیال کیا۔ ہر کسی نے بلا استثنا اعتراف کیا کہ مبینہ روایت کو نہ تو دل تسلیم کرتا ہے نہ ہی عقلِ سلیم۔ تاہم اسے حدیث سمجھتے ہوئے ہر کوئی مُہر بلب ہے۔ لہٰذا یہ لازم ٹھہرا کہ مذکورہ روایت کی حقیقت تک پہنچا جائے۔

صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بیان میں چند روایات

9۔ روایاتِ بخاریؒ

ا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب ان کی عمر چھ برس تھی اور نو برس کی عمر میں ان سے صحبت کی۔ نو برس تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہیں۔ (راوی قبیصہ بن عقبہ عن سفیان عن ہشام بن عروہ عن عُروہؓ (صحیح بخاری، کتاب النکاح باب 89، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)۔

ب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا تو اُمّ رومانؓ میری ماں میرے پاس آئیں اور مجھ کو دن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں لے گئیں۔ میں اس وقت ڈر گئی جب ایک ہی ایکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کے وقت میرے پاس آگئے، مجھ سے صحبت کی (فروہ بن ابی المغرہ عن علی بن مسہر، عن ہشام بن عُروہ، عن عُروہؓ عن عائشہؓ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب 91، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔

ج۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا، اس وقت ان کی عمر چھ برس کی تھی اور جب اُن سے صحبت کی اس وقت ان کی عمر نو برس کی تھی اور وہ نو برس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہیں (محمد بن یوسف بیکندی عن سفیان بن عینیہ عن ہشام عُروہ عن عُروہ رضی اللہ عنہ عن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، بخاری شریف، باب النکاح باب 68، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔

10۔ روایت سُنن ابوداؤد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب میرے ساتھ نکاح کیا، اس وقت میں چھ سات برس کی تھی اور جب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے صحبت کی تو میں نو برس کی تھی (سُنن ابوداؤد، باب 111، روایت 354، سلیمان بن حرب وابو کامل عن حماد بن زید عن ہشام بن عُروہ عن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا)۔

ایسی ضعیف اور موضوع روایات کو حسن و صحیح ثابت کرنے میں علم و تحقیق کے بجائے جذباتی وابستگی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس خلافِ قرآن و سنت اور خلافِ عقل و وجدان روایت کو محض محدثین سے جذباتی وابستگی کی بنا پر درست قرار دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیس و تکریم پر ترجیح دینا کسی اُمّتی کیلئے روا نہیں۔

11۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فعل خلافِ قُرآن نہیں ہوسکتا نہ ہی نابالغ بچی سے جنسی مقاربت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

ہشام بن عروہ کی روایت کو درست ماننے والے اصحاب اِسی روایت کی بنا پر کم سن نابالغ بچیوں سے نکاح اور مباشرت کو مباح قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارا موقف بالکل واضح ہے کہ قرآن مجید کی آیاتِ مبین کی روشنی میں نکاح کے لیے فطری بلوغ لازم ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا یا تو راوی سے بتقاضائے لغزشِ بشری ستہ عشر (16) اور تسعۃ عشر (19) میں سے عشر کا حرف سہواً حذف ہوگیا یا سننے والے نے سننے میں غلطی کی۔ فرق صرف نقطہ نظر کا ہے۔ ہمارا موقف ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمانی راہنمائی کے باعث معصوم عن الخطا ہیں اور ان کا کوئی عمل قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ مخالف نقطہ نظر والے اصحاب کا خیال ہے کہ ہشام بن عروہ کی روایت سے یہ خلافِ

قرآن عمل (معاذ اللہ) پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا انہیں یہ روایت اتنی عزیز ہے کہ بے سوچے سمجھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیس وتکریم کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

12۔ تمام جہانوں کے لیے باعثِ رحمت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نابالغ بچی کے لیے باعثِ زحمت کیونکر ہو سکتے تھے؟

کیا ایسا گمان بھی کیا جا سکتا ہے کہ تمام جہانوں کے لیے رحمت قرار دیئے جانے والی شخصیت کم سن اور نابالغ بچیوں کے لیے سراپا رحمت نہ ہو؟ جیسا کہ تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے، نابالغ بچی کو ازدواجی تعلقات کی کوفت میں مبتلا کرنا ایک انتہائی وحشت ناک فعل ہے۔ محسنِ انسانیت، نبیِ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایسا گمان کرنے سے بھی ہماری رُوح تھرّا اُٹھتی ہے۔ پتا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی کہلانے والے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سُوءِ ظن کا مظاہرہ کیونکر کرتے ہیں! ہمیں علم ہونا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عمل کتاب اللہ، عالمگیر انسانی صداقتوں، قوانینِ فطرت اور معروف کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ نابالغ بچی سے مباشرت ہر دور کے تعامل معاشرہ کے بھی خلاف ہے، لہٰذا اِس فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کرنا سراسر سُوءِ ادب ہے۔

13۔ زیرِ بحث موضوع پر دستیاب دیگر اہم کتب

تحقیق کی وادئ پُرخار میں قدم رکھنے کے بعد مجھ پر انکشاف ہوا کہ کئی عاشقانِ رسولؐ منزلیں مارتے ہوئے مجھ سے پہلے ہی بہت سا سفر طے کر چکے ہیں۔ اس موضوع پر درجنوں کتابیں موجود ہیں جن میں سے اہم کتب معروف مصری سکالر عباس محمود العقاد کی کتاب ''الصدیقہؓ بنت الصدیقؓ''، میاں محمد سعید کی کتاب ''حیات اُم المومنینؓ''، رازق الخیری کی ''مسلمانوں کی مائیں''، مولانا عبدالقدوس ہاشمی کی کتاب ''تقویمِ تاریخی'' قابل ذکر ہیں۔ اس موضوع پر حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب ''اُمہات المومنینؓ اور مستشرقین'' مصنفہ پروفیسر ظفر علی قریشی بھی ایک اعلیٰ تحقیقی کتاب ہے۔ مذکورہ بالا تمام کتب میں ناقابلِ تردید تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے

کہ حضورؐ سے شادی کے وقت ام المومنین عائشہ کی عمر 17 سے 19 برس تھی۔

14۔ اس سلسلے میں حکیم نیاز احمد کی کتاب ''کشف الغمہ''، علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کی کتاب ''عمرِ عائشہ''، حکیم فیض عالم صدیقی کی کتاب ''صدیقہؓ کائنات'' ''طاہرہ کے نام'' سے موسوم کتاب میں اِس موضوع پر تحقیقی مضمون، مولانا عمر احمد عثمانی کی کتاب ''فقہ القرآن'' اور ''عرب نیوز'' جدہ کی جانب سے شائع ہونے والی کتاب "Our Dialogue" جلد اول کے صفحات 70-72 پر شائع ہونے والی تحریر خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ راقم نے اِن کتب سے بھر پور استفادہ کیا ہے اور یہ مستقبل میں بھی ہر محقق کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔ بر سبیل تذکرہ ایران کے **ڈاکٹر علی شریعتی نے بھی سیّدہ عائشہؓ کی عمر سابقہ حوالوں سے 9 سال اور اپنی تحقیق کے مطابق 18 سال تحریر کی ہے** (اُمّہات المومنینؓ۔ ڈاکٹر علی شریعتی)۔

15۔ اِسلامی دعوۃ انٹرنیشنل کا مؤقف

اس سلسلے میں اِسلامی دعوۃ انٹرنیشنل کا مؤقف بھی بالکل واضح ہے۔ ان کی جانب سے چھپنے والے کتابچے ''Muhammad (PBUH) A to Z'' کے صفحہ نمبر 7 پر غیر مبہم الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ سیّدہ عائشہؓ شادی کے وقت عاقل و بالغ دوشیزہ تھیں اور اپنے بُرے بھلے کی تمیز رکھتے ہوئے خود فیصلہ کرنے کی اہل تھیں۔

مستشرقین (ORIENTALISTS) کی رائے

16۔ سر ولیم میور کی رائے

سر ولیم میور اپنی کتاب ''Life of Muhammad'' (PBUH) میں لکھتا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کے وقت عائشہؓ کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔'' پروفیسر ظفر علی قریشی کی یہ رائے صائب ہے کہ میور نے غالباً قبل از ہجرتِ مدینہ سیّدہ عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت (Betrothal) کو شادی سمجھتے ہوئے تبصرہ کیا ہے۔ مبیّنہ نسبت سن 10 نبوت میں ہجرت سے تین سال قبل طے پائی تھی جبکہ رخصتی مزید پانچ سال بعد سنہ 2ھ میں

ہوئی۔لہٰذا اس حساب سے رخصتی کے وقت ام المومنین عائشہؓ کی عمر 16 سال طے پاتی ہے۔

17۔ نابیہ ایبٹ کی تحقیق

سیّدہ عائشہؓ کی شادی کی ایک سخت نقاد نابیہ ایبٹ اپنی تصنیف Aisha Chicago Report - 1940 کے صفحہ نمبر 1 پر تحریر کرتی ہے کہ ''ام المومنین عائشہؓ 614ء میں پہلی وحی کے نزول سے 5 سال قبل پیدا ہو چکی تھیں۔'' اس حساب سے رخصتی کی عمر 20 سال بنتی ہے لیکن پہلی وحی کا نزول 610ء میں ہوا تھا نہ کہ 614ء میں۔ اگر 610ء سے حساب لگایا جائے تو رخصتی کے وقت عائشہؓ کی عمر 25 سال بنتی ہے۔

اب آیئے چند بنیادی حقائق کی جانب جو اس مسئلے کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

عرب میں قمری سالوں کی گنتی (قمری تقویم) رائج نہ تھی

18۔ عمروں کا تعیّن اہم واقعات کے حوالے سے ہوتا تھا

اہلِ عرب ادبِ عالیہ اور شعر و شاعری کے علاوہ علم الانساب (Genealogy) میں مہارتِ تامہ کے حامل تھے۔ کسی عرب کے شجرہ نسب کو دیکھیے تو بیسیویں پشت تک کے حوالہ جات مل جاتے ہیں، مثلاً سیّدہ عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ بن ابوقحافہؓ بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ یوں ساتویں پشت میں سیّدہ عائشہؓ کا سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مل جاتا ہے جو بیسیویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جدِّ امجد مَعد بن عدنان تک جا پہنچتا ہے۔ اسی طرح سیّدہ خدیجہؓ اور سیّدہ ام حبیبہؓ کا پانچویں پشت میں، سیّدہ حفصہؓ اور سیّدہ اُمِّ سلمہؓ کا آٹھویں پشت میں، سیّدہ سودہؓ کا نویں پشت میں، زینبؓ بنت جحش کا پندرہویں پشت میں اور سیّدہ میمونہؓ کا شجرہ نسب اٹھارہویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مل جاتا ہے۔ **تاہم عمروں کے معاملے میں بہت سے تاریخی اختلافات ہیں جن کی وجہ قمری کیلنڈر کی عدم دستیابی ہے۔**

(بحوالہ رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ 133)

19۔ جزیرہ نمائے عرب میں نہ تو کوئی قمری کیلنڈر رائج تھا اور نہ ہی پیدائش و اموات کا ریکارڈ دستیاب تھا بلکہ عمروں کا اندازہ اہم واقعات سے منسلک تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر سے قبل بنی اسمٰعیل حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ سے تاریخ کا حساب کرتے تھے، پھر تعمیرِ کعبہ سے کرنے لگے۔ بعد ازاں حدودِ تہامہ سے باہر جانے والے قبائل اپنی تاریخ کا حساب حدودِ تہامہ چھوڑنے سے کرنے لگے۔ اس کے بعد واقعہ فیل تک کعب بن لوی کی وفات سے تاریخ کا تعیّن ہوتا رہا۔ واقعہ فیل کے بعد تاریخ کا شمار اُس سے ہونے لگا۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ 140)

20۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس قمری سال میں پیدا ہوئے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیدائش کے وقت دنیا میں بارہ مختلف کیلنڈر رائج تھے لیکن قمری کیلنڈر ناپید تھا۔ اسی وجہ سے ہم یہ تعین کرنے سے قاصر ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کون سے قمری سال میں پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سنہ پیدائش بھی ایک اہم واقعہ سے منسلک ہے یعنی ”وہ سال“ (عام الفیل) جس میں حاکم یمن ابرہہ ہاتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سنہ پیدائش کے تعیّن میں بھی مشکل پیش آتی۔

دیگر اکابرین اسلام کے سنینِ پیدائش اور وفات میں اختلاف

21۔ سیّدہ خدیجہؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح کے وقت عمر

جمہور کی رائے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شادی کے وقت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی عُمر 40 سال تھی، لیکن حضرت عباسؓ ان کی حضورؐ سے شادی کے وقت عمر 28/30 سال بیان کرتے ہیں (بحوالہ زرقانی و مغلطائی)۔ نامور تاریخ دان اور سیرت نگار ابن ہشام مختلف حوالوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شادی کے وقت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر 25 سے 35 سال تک بیان کرتے ہیں۔ بیہقی نے حاکم سے بھی یہی عُمر روایت کی ہے۔ ابن کثیر سیّدہ خدیجہؓ کی عمر بوقت وفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”وَبَلَغَتْ خَدِیْجَۃُ خَمْسًا وَ سِتِّیْنَ وَ یُقَالُ خَمْسِیْنَ وَ ھُوَ

اَصَحّ۔ یعنی سیّدہ خدیجہؓ کی عمر 65 سال ہوئی اور ایک قول ہے کہ 50 سال ہوئی اور یہی قول درست ہے (ابن کثیر البدایہ والنھایہ)۔ حیرت ہے کہ بوقتِ شادی سیّدہ خدیجہؓ کی عمر 40 سال کی روایت قبول کرتے ہوئے دیگر مُعتبر حوالوں کو کیوں کر نظر انداز کر دیا گیا۔

22۔ سیّدہ فاطمہؓ کا سنہ پیدائش اور وفات

طبقاتِ ابن سعد میں مذکور ہے کہ حضرت عباسؓ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے گھر گئے تو سیّدہ فاطمہؓ حضرت علیؓ سے فرما رہی تھیں کہ میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا: دیکھو فاطمہؓ! تم ان دنوں پیدا ہوئی تھیں، جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر نَو کر رہے تھے اور نبی اکرمؐ کی عمر پینتیس سال تھی۔ اور دیکھو علیؓ! تم اس سے چند سال پہلے پیدا ہوئے تھے (طبقات ابن سعد، جلد 8، ص 17 اور اسد الغابہ جلد 4 صفحات 280 اور 377)۔ مدائنی نے بھی ولادتِ سیّدہ فاطمہؓ 5 سال قبل نبوت اور عمر بوقتِ وفات انتیس سال بتائی ہے۔ تاریخی حوالے سے کلبی کا بیان ہے کہ وفات کے وقت سیّدہ فاطمہؓ کی عمر 35 سال تھی۔ دوسری جانب شیخ محمد کلینی نے ولادتِ سیّدہؓ سنہ 5 نبوت میں بتائی ہے (اصول الکافی)۔ ہماری رائے میں حضرت عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن امام حسنؓ کی رائے صائب ہے کہ فاطمہؓ 5 سال قبل نبوت پیدا ہوئیں اور وفات کے وقت ان کی عمر 30/31 سال تھی۔

23۔ سیّدہ فاطمہؓ کی پیدائش کے وقت سیّدہ خدیجہؓ کی عمر

سیّدہ خدیجۃ الکبریٰؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی سنہ 15 سال قبل نبوت میں ہوئی۔ سیّدہ خدیجہؓ کے بطن سے حضورؐ کے چھ بچے تولد ہوئے اور جمہور کی رائے میں سنہ 10 نبوت میں بوقتِ وفات ان کی عمر 65 برس تھی۔ اگر عام روایت کے مطابق سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ کی عمر سنہ 2 ہجری میں شادی کے وقت دس سال تسلیم کر لی جائے تو سیّدہ فاطمہؓ کی پیدائش اپنی والدہ کی وفات سے صرف پانچ برس پہلے قرار پاتی ہے۔ اس حساب سے خدیجہؓ نے 60 سال کی عمر میں سیدہ فاطمہؓ کو جنم دیا جو کہ سنِ یاس (Climacteric) کا عرصہ ہے۔ واضح رہے کہ یہاں اللہ کی قدرتِ کاملہ زیر بحث نہیں اور نہ ہی ہم خوارق العادت واقعات اور معجزات کا ذکر کر رہے ہیں

بلکہ عام طبعی قوانین کی رُو سے طے شدہ معاملات کا ذکر مقصود ہے۔ استثنائی واقعات معمولِ فطرت کے زُمرے میں نہیں آتے۔ تاریخی اور طبی حقائق کے پیش نظر عباسؓ اور ابن ہشام کی روایت قرین قیاس ہے کہ سیّدہ خدیجہؓ کی عمر حضورؐ سے نکاح کے وقت 28/30 سال اور وفات کے وقت 51/53 سال تھی۔ سیّدہ فاطمہؓ پانچ برس قبل نبوت پیدا ہوئیں جب سیّدہ خدیجہؓ کی عمر 38/40 سال تھی۔

24۔ حضرت علیؓ کا سنہ پیدائش

حضرت علیؓ کی تاریخ پیدائش کا درست ریکارڈ بھی دستیاب نہیں سوائے حضرت عباسؓ کے اس بیان کے کہ آپؓ سیّدہ فاطمہؓ سے چند سال پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ غالباً پیدائش کے وقت کوئی مزید اہم واقعہ رُو پذیر نہیں ہوا ہوگا جس سے درست سال پیدائش کا تعین کیا جا سکتا۔ اس لیے مختلف محدّثین اور مؤرخین قبول اسلام کے وقت حضرت علیؓ کی عمر آٹھ سے گیارہ سال بتاتے ہیں۔ اگر فاطمۃ الزہراؓ سالِ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئی تھیں اور حضرت علیؓ ان سے تین چار سال بڑے تھے تو شادی کے وقت سیّدہ فاطمہؓ کی عمر بیس اکیس سال اور حضرت علیؓ کی عمر 23/24 سال طے پاتی ہے، لیکن عام رائے یہ ہے کہ سیّدہ فاطمہؓ کی شادی دس سال کی عمر میں ہوئی جس کی دیگر احادیث اور تاریخی حوالوں سے تصدیق نہیں ہوتی۔

(اسد الغابہ صفحہ 377)

25۔ قبولِ اسلام کے وقت زبیر بن عوامؓ کی عمر

زبیرؓ بن عوام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے پھوپھی زاد بھائی اور سیّدہ خدیجہؓ کے سگے بھتیجے تھے۔ امام ولی الدین خطیب نے قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر 16 سال بیان کی ہے (اسماء الرجال صفحہ 332)۔ حافظ ابن حجر نے زبیرؓ کی عمر 8 سے 12 سال بیان کی ہے (الاصابہ جلد 2 صفحہ 5)۔ ابن سعد نے ان کی عمر 16 سال بیان کی ہے (طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 102)۔ الاستیعاب جلد 1 صفحہ 102 پر ان کی عمر 12 سے 15 سال مرقوم ہے۔ ایک مزید روایت کے مطابق قبولِ اسلام کے وقت زبیرؓ کی عمر 18 سال بیان کی گئی ہے۔ عمروں کے بیان میں 8

سے 18 سال تک کی تفاوت سے صاف ظاہر ہے کہ عمروں کے حساب میں دس پندرہ سال تک کی غلطی معمول کی بات تھی۔

26۔سیّدہ عائشہؓ کی والدہ کا سنہ وفات

الاِستعیاب میں مذکور ہے کہ سیّدہ عائشہؓ کی والدہ ام رُومانؓ کنانیہ کی وفات رمضان 6 ہجری میں ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کی قبر میں اترے تھے اور یہ فرمایا تھا کہ ''الٰہی تجھ سے پوشیدہ نہیں کہ ام رُومانؓ نے تیرے لیے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیا کچھ برداشت کیا ہے''۔ نیز فرمایا ''اگر کوئی شخص حُورانِ جنت میں سے کسی عورت کو دیکھنا پسند کرتا ہو تو ام رُومانؓ کو دیکھ لے''۔ تاہم صحیح بخاری میں مسروقِ تابعی سے ایک حدیث ام رومانؓ سے روایت کی گئی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک اُمِّ رومانؓ کی وفات بعد از وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئی تھی (الاستیعاب صفحہ 792 اور رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ 193)۔ ان اختلافات کی وجہ اہلِ عرب کے پاس پیدائش اور وفات دونوں کے درست ریکارڈ کی عدم دستیابی ہے۔

27۔وفات کے وقت سیّدہ سودہؓ کی عُمر

واقدی نے لکھا ہے کہ اُمّ المومنین سیّدہ سودہؓ نے 54ھ میں وفات پائی جبکہ امام بخاریؒ تاریخ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں یعنی 23ھ سے پہلے انتقال فرمایا۔ گویا سال ہجری متعارف ہونے کے باوجود سیّدہ سودہؓ کی وفات کے سال کا تعیّن کرنے میں بھی اکتیس سال کا فرق ہے۔ اِس سے اندازہ کر لیجئے کہ جس زمانے میں نہ تو قمری کیلنڈر کا وجود تھا اور نہ ہی عصرِ حاضر کی طرح پیدائش واموات کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا تو عمروں کے حساب میں غلطی کا کس قدر امکان تھا۔

تقویم کی غلطیوں کے دُوررس منفی اثرات

28۔واقعات کے تعیّن میں سالوں اور مہینوں کا فرق

یوں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ قمری کیلنڈر کی عدم دستیابی کے باعث ان کبارِ اسلام کی عمروں

کے تعیّن میں 12 سے 15 سال کا فرق ایک معمولی بات ہے۔ جہاں سالوں کی گنتی میں اتنا فرق ہو وہاں مہینے تو کسی شمار ہی میں نہیں آتے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ کوئی واقعہ سال کے شروع میں پیش آیا تھا، وسط میں یا آخر میں۔ اِس لحاظ سے بھی سالوں کی گنتی میں مزید ایک دو سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اِسی طرح بعض غیر معتبر روایات پر انحصار کرنے اور ابتدائی غلطیوں کا جواز فراہم کرنے کے لیے ضعیف روایات کا سہارا لے کر غلطیوں کو مزید سنگین بنا دیا گیا ہے۔ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہؓ کی عمر کے تعیّن میں بھی یہی غلطی کی گئی ہے اور مستند احادیث اور تاریخی حوالوں کو نظر انداز کر کے بعض انتہائی ضعیف روایات کی بنیاد پر ان کی عمر شادی کے وقت 9 سال بیان کی گئی ہے۔ آج یہی غلطی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس پر گھناؤنے الزامات کا باعث بن رہی ہے۔

29۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکّہ میں قیام کا عرصہ

حضرت عباسؓ بعد از نبوت مکّہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قیام کا عرصہ پندرہ سال اور وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر 65 سال بیان کرتے ہیں (طبری اردو ترجمہ حیدر آباد جلد اوّل حصہ سوم صفحہ 599)، جبکہ بیشتر سیرت نگاروں کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بعد از نبوت مکّہ میں تیرہ سال قیام کیا اور تریسٹھ برس (قمری) کی عُمر میں وفات پائی۔ دراصل حضرت عباسؓ نے سالِ نبوت، سالِ ہجرت اور سالِ پیدائش و سالِ وفات کو شامل کرتے ہوئے عرصے کا تعین کیا ہے جبکہ باقی سیرت نگاروں نے صرف مکمل سالوں کا شمار کیا ہے۔

30۔ ہجری سال کی ابتداء کب ہوئی؟

ہجری سال حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے پانچ سال بعد 16ھ میں متعارف کرایا تھا اور اگرچہ کہ ہجرتِ مدینہ ماہ ربیع الاول میں ہوئی تھی، انھوں نے پہلے سے رائج محرم الحرام کو اِسلامی سال کا پہلا مہینہ قرار دیا۔ اِس کے باوجود سالوں کے شمار میں بہت سے ابہام ہیں۔ مثلاً محدثین اور سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف ہے کہ سیّدہ عائشہؓ

سے حضور ﷺ کا نکاح شوال سنہ دس نبوت میں ہوا، ہجرت سے ذرا قبل 13 نبوت میں ہوا یا مدینہ پہنچنے پر سنہ 1ھ میں ہوا اور رخصتی سنہ ایک ہجری میں ہوئی یا دو ہجری میں۔ قرآنِ مجید کی مختلف آیات اور سورتوں کے سنہ نزول پر بھی قطعی اتفاق نہیں۔ واقعہ معراج کے سنہ کا تعین کرنے کے سلسلے میں بھی چھ مختلف آراء ہیں (الرحیق المختوم صفحہ 217)، کیونکہ سالوں کا تعین روایات، یادداشت یا مختلف اہم واقعات سے منسلک ہے یعنی کوئی واقعہ اصحاب الفیل کے حملے، کعبہ کی تعمیرِ نو، حضور ﷺ کی نبوت اور ہجرت، مشہور غزوات یا حضور ﷺ کی وفات کے کتنے سال پہلے یا بعد پیش آیا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں شامل سیّدہ عائشہؓ سے مروی ان روایات پر بھی غور کیجیے

31۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا، اپنے والدین کو اسلام پر پایا

لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ قَطُّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا رَسُولُ اللهِ ﷺ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً۔

سیّدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب سے مجھے اپنے والدین کی شناخت کا شعور ہوا تو میں نے اپنے والدین کو اسلام پر پایا اور دیکھا کہ نبی ﷺ روزانہ صبح و شام ہمارے گھر تشریف لاتے تھے (صحیح بخاری طابع مکتبہ رحمانیہ لاہور، کتاب المناقب جلد دوئم، ص 526 روایت نمبر 1087)۔ اس سے چار نکات ثابت ہوتے ہیں:-

ا۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ سنہ 1 نبوت میں ہی اسلام قبول کر چکے تھے، لہٰذا سیّدہ عائشہؓ سنہ 1 نبوت میں سن شعور کو پہنچ چکی تھیں۔

ب۔ سیّدہ عائشہؓ نبوت سے 4/5 سال قبل پیدا ہو چکی تھیں تبھی انھوں نے اپنے والدین کو شروع ہی سے اسلام پر کاربند پایا۔ واضح رہے کہ سیّدہ عائشہؓ خود بھی اوّلین اسلام لانے والوں میں شامل تھیں۔

ج۔ اُنہیں اتنی سمجھ بوجھ تھی کہ اپنے والدین کے دین (اسلام) اور کفارِ مکہ کی مشرکانہ رسوم و رواج میں امتیاز کر سکیں۔

د۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہچانتی تھیں اور ان کی آمد و رفت کے معمول سے واقف تھیں۔

اس حدیث کی روشنی میں 5 سال بعد نبوت میں سیّدہ عائشہؓ کی پیدائش کی روایت کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔

32۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے میرا نکاح خدیجہؓ کی وفات کے 3 سال بعد ہوا

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے خدیجہؓ سے بڑھ کر کسی عورت سے غیرت (رشک) محسوس نہیں کی حالانکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے میرے نکاح سے تین سال قبل وفات پا چکی تھیں (حدیث نمبر 943 کتاب الادب جلد 3 صحیح بخاری)۔ سیّدہ خدیجہؓ کی وفات عام الحزن سنہ 10 نبوت میں ہوئی۔ سیّدہ عائشہؓ کی اِس حدیث کے مطابق ان کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح خدیجہؓ کی وفات کے 3 سال بعد سنہ 13 نبوت میں ہوا۔ یہ دو متضاد روایات صحیح بخاری ہی کی ہیں جن میں سے کوئی ایک ہی درست ہو سکتی ہے۔

33۔ جب مکہ میں سورہ قمر نازل ہوئی تو میں لڑکی بالی تھی

"جب مکہ میں سورہ قمر (46:54) کی یہ آیت نازل ہوئی "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ" تو میں اس وقت لڑکی بالی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی" (إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ لَقَدْ أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بِمَكَّةَ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ، صحیح بخاری مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، جلد دوم، صفحہ 1021، روایت نمبر 1981۔ سورۃ قمر سنہ 5 نبوت میں نازل ہوئی تھی لیکن کہا جاتا ہے کہ سورۃ قمر کی مذکورہ آیت سنہ 8 نبوت میں نازل ہوئی تھی کیونکہ واقعہ شق القمر کے زمانے کا تعین پانچ سال قبل ہجرت کیا جاتا ہے۔

34۔ کیا دو سالہ شیر خوار بچی نے سورہ قمر کی آیت یاد کر لی؟

جو حضرات سنہ 2ھ میں رخصتی کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر نو سال بیان کرتے ہیں وہ از راہِ

کرم کچھ جمع تفریق کے عمل میں ہمارا ساتھ دیں:

ا۔ اگر 2ھ میں رخصتی کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 9 سال تھی تو عین سالِ ہجرت میں (9-2) 7 سال ہوگی۔

ب۔ اس حساب سے ہجرت سے پانچ سال قبل شقِ قمر کے موقع پر سیّدہ عائشہؓ کی عمر (7-5) یعنی 2 سال ہونی چاہیے۔ دوسری جانب اگر سیّدہ عائشہؓ کے بیان کردہ سنہ پیدائش (سنہ 5 نبوت) سے حساب لگایا جائے تو سنہ 8 نبوت میں سورۃ قمر کے نزول کے وقت ان کی عمر اڑھائی سے تین سال طے پاتی ہے۔ کیا سیّدہ عائشہؓ نے 2 یا 3 سال کی عمر میں یہ آیت یاد کرلی تھی؟ واضح رہے کہ سیّدہ عائشہؓ نے سنہ 8 نبوت میں خود کو الجاریہ یعنی لڑکی بالی قرار دیا ہے۔ سیدہ عائشہؓ پیدائشی اہلِ زبان تھیں لہٰذا وہ شیر خوار بچی ہوتیں تو اپنے لیے الجاریہ کے بجائے صبّیہ کا لفظ استعمال کرتیں۔

35۔ 2ھ سے پہلے رخصتی میں ''مہر'' کی رکاوٹ تھی نہ کہ بلوغت کی

صحیح بخاری میں عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ نے سیّدہ عائشہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ ''مدینہ پہنچنے کے بعد ہم کچھ دِن ابوبکر صدیقؓ کے گھر رہے۔ پھر ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا، آخر آپ کو کس بات کی رکاوٹ ہے کہ آپ اپنی بیوی (سیّدہ عائشہؓ) رخصت نہیں کراتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مہر کی رکاوٹ ہے تو ابوبکر صدیقؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارہ اوقیہ اور کچھ نش پیش کئے (یعنی پانچ سو درہم اور کچھ اوپر)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی بطور مہر ہمارے پاس روانہ کردیئے تو میری رخصتی اِس گھر میں ہوئی جس میں میں اب ہوں اور یہی وہ گھر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی''۔ ملاحظہ کیجیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ابوبکر صدیقؓ آخر جلدی کیا ہے، عائشہؓ تو ابھی بچی ہے؟ بلکہ یہ عذر پیش کیا کہ مالی تنگ دستی کی بنا پر مہر کی رقم دستیاب نہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حتمی طور پر علم تھا کہ سیّدہ عائشہؓ بالغہ ہیں۔

36۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ سالہ بچی کو اپنے سے بڑے اسامہ بن زیدؓ کا منہ دھلانے اور ان سے شفقت کا برتاؤ کرنے کو کہا؟

یہ واقعہ مکہ کا اور غالباً سنہ 10 نبوت سے قبل کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے تو اسامہ بھی ان کے ہمراہ ہو لئے۔ ابنِ سعد اور ابنِ ماجہ نے سیّدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ اُسامہؓ بن زید دروازے کی چوکھٹ سے پھسل گئے، اُن کے چہرے پر زخم آ گیا اور ناک بہنے لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اسامہ کا چہرہ صاف کر دو۔ مجھے گھن آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اٹھ کر اُسامہؓ کی ناک صاف کی۔ ترمذی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہؓ تو اُسامہؓ سے محبت رکھ کیونکہ میں بھی اُسامہ سے محبت رکھتا ہوں (ترمذی جلد 2 صفحہ 246)۔ بیہقی نے شعبی کے حوالے سے اور امام احمد نے بھی معمولی رد و بدل کے ساتھ ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے۔ اس وقت اسامہ بن زیدؓ کی عمر جو سنہ 3 نبوت میں پیدا ہوئے تھے 6/7 سال تھی۔ ہشام بن عُروہ کی روایت کے مطابق، عائشہؓ کا نکاح سنہ 10 نبوت میں بعمر 6 سال ہوا تھا۔ اگر سیدہ عائشہؓ سنہ 10 نبوت میں چھ سال کی تھیں تو ان کا سالِ پیدائش 4 نبوت ہونا چاہیے (6-10) تاہم ابن عروہ کے مقلدین سیّدہ عائشہؓ کی پیدائش سنہ 5 نبوت میں بیان کرتے ہیں۔ اس حساب سے تو سیّدہ عائشہؓ حضرت اسامہؓ سے بھی ایک دو سال چھوٹی تھیں۔ کیا عقل و فہم یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوٹی سی بچی کو اپنے سے قدرے بڑی عمر کے لڑکے کا منہ دھلوانے اور اس سے شفقت کا برتاؤ رکھنے کے لیے کہا ہوگا؟ صاف ظاہر ہے کہ سیدہ عائشہؓ اسامہؓ سے 6/7 سال بڑی تھیں۔ سنہ 10 نبوت میں ان کی کم از کم عمر 14/15 سال اور 5 سال بعد رخصتی کے وقت 19/20 سال تھی۔

37۔ کیا نو سالہ بچی نے بیماروں کی عیادت کی؟

صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہاں کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی اور بیشتر صحابہؓ بشمول ابوبکر صدیقؓ سخت بخار میں مبتلا ہو

گئے۔ اُم المومنین سیّدہ عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر فرداً فرداً سب کی عیادت کی۔ واپس آکر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ، عامرؓ بن فہیرہ اور بلالؓ کی کیفیت بیان کی اور جو اشعار وہ حالتِ ہذیان میں پڑھ رہے تھے، انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دہرایا (طبقات ابن سعد، ج3، ص43؛ مسند امام احمد، صحیح بخاری جلد 2، ص 844)۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گھر میں امِ رومانؓ اور اسماءؓ کی موجودگی میں تیمارداری کی اہم ذمے داری کیا ایک 8/9 سال کی بچی کے سپرد کی گئی تھی، جبکہ گھر میں تجربہ کار اور فہمیدہ عورتیں موجود تھیں؟ سیّدہ عائشہؓ اُس وقت یقیناً بالغہ تھیں اور ان کا حافظہ بھی اتنا اچھا تھا کہ انہوں نے حالتِ ہذیان میں پڑھے ہوئے اشعار تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دہرا دیئے۔

سیّدہ عائشہؓ کی عمر کے متعلق تاریخی ثبوت اور منطقی دلائل

38۔ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ قبل از نبوت زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئیں

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زمانہ جاہلیت میں قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے شادی کی جن کے بطن سے عبداللہؓ اور اسماءؓ پیدا ہوئے اور قبل از اسلام کے زمانے میں ہی اُم رومان بنت عامر سے شادی کی جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰنؓ اور سیّدہ عائشہ کی ولادت ہوئی۔

(تاریخ طبری مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، جلد 4 صفحہ 616)

معروف مؤرخ طبری نے ازواجِ ابوبکرؓ کے ضمن میں تحریر کیا ہے:

فھولآء الاربعة من اولادہ وُلِدوا من زوجیه اللتین سمیتھما فی الجاھلیة۔

عربی کے جید سکالر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:-

اور یہ چاروں بہن بھائی ان دنوں بیویوں سے جن کے نام میں نے لئے ہیں، زمانہ جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے۔

39۔ السابقون الاوّلون سے کیا مراد ہے؟

السابقون الاوّلون سے مراد اِسلام قبول کرنے میں پہل کرنے والی اور سبقت لے جانے

والی مبارک ہستیاں ہیں۔ نبوت کے پہلے تین سالوں میں خفیہ تبلیغ کا طریقہ اختیار کیا گیا تھا اور اسلام کی تبلیغ ذاتی حوالوں سے ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے پہلے روز جن مبارک ہستیوں نے اسلام قبول کیا، ان میں سیّدہ خدیجہؓ، ابوبکرؓ، علیؓ اور زیدؓ بن حارثہؓ شامل تھے۔ اگلے چند دنوں میں ابوبکرؓ سے ذاتی تعلقات رکھنے والے اشخاص بشمول باندیوں اور غلاموں نے اِسلام قبول کیا۔ لوگ تین تین چار چار کی ٹولیوں میں آکر اسلام قبول کر رہے تھے لیکن اسلام قبول کرنے والوں کی کوئی فہرست مرتب نہیں ہو رہی تھی۔ سیرت نگاروں نے بعد میں ان مبارک ہستیوں کی فہرست بنائی۔ ابنِ ہشام اور ابنِ اسحق دونوں کی فہرستوں میں سیدہ عائشہؓ کا نام شامل ہے۔

40۔ سیّدہ فاطمہؓ سیّدہ عائشہؓ سے قدرے بڑی تھیں

سیّدہ عائشہؓ سیّدہ فاطمہؓ سے ڈیڑھ دو سال چھوٹی یعنی تقریباً ان کی ہم عمر تھیں۔ ابن اسحٰق، ابنِ ہشام، عسقلانی اور زرقانی نے سیّدہ عائشہؓ کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے پچاس افراد میں شمار کیا ہے۔ اگر قبولِ اسلام کے وقت حضرت علیؓ کی عمر دس گیارہ سال اور سیّدہ فاطمہؓ کی عمر 8/9 سال تھی تو سیّدہ عائشہؓ کی کم سے کم عمر بھی 7 /6 سال تصور کی جاسکتی ہے۔ وہ قبولِ اسلام کے وقت دیگر چھوٹے بچوں سے نسبتاً بہتر سمجھ بوجھ رکھتی تھیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ باقی نومُسلم بچوں کے نام اس فہرست میں شامل نہ ہوتے۔ انہوں نے سِن شعور تک پہنچنے پر 6/7 سال کی عمر میں اِسلام قبول کیا اور السابقون الاولون میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اس حساب سے گیارہ برس بعد، ہجرت کے وقت ان کی عمر 17/18 سال اور سنہ 2ھ میں رخصتی کے وقت 19/20 سال قرار پاتی ہے۔

41۔ سنہ 5 نبوت میں مسلمانوں کی تعداد 200 کے لگ بھگ ہو چکی تھی

سنہ 4 نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کی کھلم کھلا تبلیغ اور اپنے عزیز واقارب کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم مل گیا۔ ہجرت حبشہ (سنہ 5 نبوت) میں 95 مردوں اور 22 عورتوں نے حصہ

لیا۔ اس طرح اگر کل 117 مسلمانوں نے ہجرت کی تو 5 نبوت میں مکہ میں مسلمانوں کی تعداد کم وبیش دو سو ہوگی۔ اس کی تصدیق اس بات سے بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ نے سنہ 6 نبوت میں اسلام قبول کیا (سیرت ابن ہشام صفحہ 343-346) تو اُس موقع پر حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر کفّارِ مکہ کو للکارا کہ ''آج اگر مکہ میں تین سو مسلمان ہوتے تو پھر مکہ میں یا تو ہم رہتے یا پھر تم رہتے'' (تاریخ عمرؓ بن الخطاب از لابن بن جوزی صفحہ 11)۔ گویا سنہ 6 نبوت تک مکہ میں موجود مسلمانوں کی تعداد دو سو سے زیادہ لیکن تین سو سے بہر حال کم تھی۔

42۔ پہلے پچاس افراد نے 3 نبوت سے قبل اسلام قبول کیا

ان حقائق کی روشنی میں پہلے اسلام لانے والے پچاس صحابہؓ کا تعلق سالِ نبوت کے پہلے دو تین سال سے ہے۔ سیّدہ عائشہؓ بھی ان پچاس اصحاب میں شامل تھیں۔ البتہ جنگِ بدر میں جن صحابہ کرامؓ نے حصہ لیا، انہیں بھی کفر اور اسلام کی پہلی جنگ میں اوّلیت حاصل کرنے کے حوالے سے السابقون الاوّلون کہا گیا۔ نام کی اس مماثلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہشام بن عُروہ کے مقلّدین نے یہ کہہ کر مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ عائشہؓ تو پیدا ہی سنہ پانچ نبوت میں ہوئی تھیں، لہٰذا ان کا نام السابقون الاوّلون کی مدنی فہرست میں شامل ہوگا۔ یہ اصحاب السابقون الاوّلون کی اوّلین فہرستوں کا بغور جائزہ لیں تو عائشہؓ کا نام بیسویں نمبر پر موجود پائیں گے، جو اتمامِ حجت کے لیے کافی ہے۔

43۔ سیّدہ عائشہؓ کا نام السابقون الاوّلون کی اِس فہرست میں کیسے شامل ہو گیا؟

ا۔ ابن ہشام نے ''سیرت ابن ہشام'' (صفحہ 65-66، جلد 1، مطبوعہ مکتبہ ربیع حلب) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں کی فہرست یوں رقم کی ہے:
حضرت خدیجہؓ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ عثمانؓ بن عفانؓ۔ زبیرؓ ابن العوام۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ سعدؓ ابن ابی وقاص۔ عثمانؓ بن مظعون۔ ان کے دو بھائی قدامہؓ اور عبداللہؓ۔

عبیدہؓ ابن الحار۔ سعیدؓ ابن زید بن عمر۔ فاطمہؓ بنت خطاب (حضرت عمرؓ کی بہن)۔ اسماءؓ بنت ابوبکرؓ۔ عائشہؓ بنت ابوبکرؓ (اور وہ ان دنوں چھوٹی تھیں)۔ ملاحظہ فرمایئے اردو ترجمہ سیرتِ ابن ہشام، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

ب۔ امام ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر کی مشہور کتاب ''السیرۃ النبویہ'' کے مطابق سیّدہ اسماءؓ بنت ابی بکرؓ اور عائشہؓ بنت ابی بکرؓ کو 17 اور 18 نمبر پر رکھا گیا ہے، کیونکہ ابن اسحٰق نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کے دونوں بھائیوں حضرت قدامہؓ اور حضرت عبداللہؓ کے نام شامل نہیں کیئے۔

ج۔ بعینہ یہی تفصیل امام محدث عبدالرحمٰن سہیلی نے اپنی مشہور کتاب ''الروض الانف'' میں بھی دی ہے (صفحہ 23، جلد 3، مطبوعہ دارالکتب الحدیثہ لصاحبہا توفیق عفیفی)۔ ''سیرۃ النبی کامل'' مرتبہ ابن ہشام میں بھی سیّدہ عائشہؓ کا نام السابقون الاولون میں شامل ہے۔ کتاب ''حیاتِ سیّد العرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں بھی عائشہؓ کا نام السابقون الاوّلون میں شامل ہے جس کی تائید حافظ بلقینی اور حافظ عراقی نے کی ہے۔

د۔ سیّدہ اسماءؓ اور سیّدہ عائشہؓ انیسویں اور بیسویں نمبر پر اسلام لائیں اور قدیم الاسلام صحابیات میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ 2 سال کی دودھ پیتی بچی کے اسلام لانے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ یقیناً کم عمری کے باوجود ان کی عمر 6/7 سال تھی۔ اگر وہ اتنی سمجھدار تھیں کہ ان کا شمار اسلام لانے والوں میں کیا جا سکے تو لامحالہ ان کی پیدائش بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند سال پہلے ہی کی ہونی چاہیے۔

44۔ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ 3/4 سال قبل نبوت پیدا ہوئیں

سب سے معتبر مؤرخ اور سیرت نگار ابن اسحاق نے اولین اسلام قبول کرنے والے پچاس افراد میں عائشہؓ کا شمار بیسویں نمبر پر کیا ہے۔ سیّدہ عائشہؓ کے نام کے سامنے مرقوم ہے کہ ''وہ قبول اسلام کے وقت کم عمر تھیں''۔ اس وضاحت سے ظاہر ہے کہ اس موقع پر جن اصحاب نے اِسلام قبول کیا وہ سب سوائے سیّدہ عائشہؓ کے بالغ تھے۔ سیّدہ عائشہؓ کی بڑی بہن

سیّدہ اسماءؓ بھی بالغ افراد میں شامل تھیں کیونکہ عین سنہ نبوت میں قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر 15/16 سال تھی۔ چونکہ سیّدہ عائشہؓ ان سے دس سال چھوٹی تھیں لہٰذا قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر تقریباً 6/7 سال تھی۔

45۔ اگر سیّدہ عائشہؓ پیدائشی مسلمان تھیں تو کیا اُنہوں نے ہجرت کے بعد دوبارہ اِسلام قبول کیا؟

سیّدہ عائشہؓ کی پیدائش سنہ 5 نبوت میں بیان کرنے والے اصحاب غور کریں کہ حضرت ابوبکرؓ، ان کی اہلیہؓ اور بڑی لڑکی اسماءؓ تو سنہ 1 نبوت میں ہی ایمان لے آئے تھے۔ اگر سیّدہ عائشہؓ سنہ 5 نبوت میں پیدا ہوئی تھیں تو گویا آپؓ پیدائشی مسلمان تھیں۔ اُس صورت میں انہیں نہ تو مکی زندگی میں اور نہ ہی مدنی زندگی میں از سرِ نو تجدیدِ ایمان کی ضرورت تھی۔ السابقون الاولون میں سیّدہ عائشہؓ کے نام کی شمولیت سے صاف ظاہر ہے کہ جناب سیّدہ پیدائشی مسلمان نہ تھیں بلکہ انہوں نے اعلانِ نبوت کے وقت اپنے والدین کے ساتھ یا کچھ عرصہ بعد لیکن بہر حال سنہ 3 نبوت سے پہلے اسلام قبول کیا۔

46۔ سیدہ اسماءؓ سنہ 14 قبل نبوت اور سیّدہ عائشہؓ سنہ 4 قبل نبوت میں پیدا ہوئیں

سنہ 13 نبوت میں ہجرت مدینہ کے وقت سیّدہ اسماءؓ کی عمر 27 سال تھی لہٰذا وہ (13-27)، 14/15 سال قبل نبوت میں پیدا ہوئیں (بروایت حافظ ذہبی، ابنِ کثیر اور ولی الدین خطیب)۔ چونکہ سیّدہ عائشہؓ ان سے دس سال چھوٹی تھیں لہٰذا ان کی پیدائش 4/5 سال قبل نبوت طے پاتی ہے۔ اس طرح تیرہ برس بعد ہجرت کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 17 سال (4+13) اور سن 2ھ میں رخصتی کے وقت انیس سال ((17+2 کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

47۔ حافظ ابن حجر کی روایت کے مطابق سیّدہ عائشہؓ کی عمر کا تعیّن

حافظ ابنِ حجر کی ''تصنیف فتح الباری'' میں عُمرِ سیّدہ عائشہؓ کے متعلق مرقوم ہے کہ سیّدہ فاطمہؓ، سیّدہ عائشہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں (الاصابہ جلد 4 صفحہ 377)۔ دوسری جانب حضرت

عباسؓ سے روایت ہے کہ سیّدہ فاطمہؓ پانچ سال قبل نبوت، کعبہ کی تعمیر نو کے وقت پیدا ہوئی تھیں۔ اِس حساب سے بھی سیّدہ عائشہؓ پہلے سالِ نبوت میں پیدا ہوئی ہوں گی اور سن 2ھ میں رخصتی کے وقت ان کی عمر 15 سال ہوگی۔ اِس نو سال کی روایت کی بنیاد کیا ہے؟

48۔ سیّدہ فاطمہؓ اور سیّدہ عائشہؓ کی عمر کے کچھ مزید ثبوت

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب سنہ 3 نبوت میں یہ آیت اتری کہ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ (الشّعراء 214:26، اپنے عزیز و اقارب کو اللہ کے غضب سے ڈراؤ) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عزیز و اقارب کو اکٹھا کر کے فرداً فرداً نام لے لے کر فرمایا! ”اے بنی عبد مناف، اے عباس بن عبدالمطلب، اے صفیہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی) میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میرے مال سے جو کچھ تجھے مانگنا ہو مانگ لے لیکن میں تجھے اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچا سکتا“۔ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ 702 مطبع مُجتبائی دہلی)۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسا خطاب ایک کمسن بچی کی فہم سے بالا ہے۔ سنہ تین نبوت میں سیّدہ فاطمہؓ کی کم از کم عمر 9/10 سال ہوگی۔ اس حساب سے سیّدہ فاطمہؓ کی پیدائش 6/7 سال قبل نبوت ثابت ہوتی ہے۔ مشہور اہلِ حدیث محقق مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین بھی اس بات سے متفق ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت سیدہ فاطمہؓ سن شعور کو پہنچ چکی تھیں (صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین صفحہ 642)۔ چونکہ سیّدہ عائشہؓ ان سے کچھ چھوٹی تھیں لٰہذا ان کی پیدائش بھی 3/4 سال قبل نبوت ہی ثابت ہوتی ہے۔

49۔ سیّدہ فاطمہؓ اور سیّدہ عائشہؓ کی عمر کا ایک اور ثبوت

سنہ 4/5 نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ ملعون عقبہ بن ابی معیط نے حالتِ سجدہ میں اُونٹ کی اوجھڑی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر ڈال دی۔ آپؐ بوجھ کی وجہ سے سجدے سے سر نہ اٹھا سکے حتیٰ کہ سیّدہ فاطمہؓ نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت سے اوجھڑی ہٹائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے سے سر اٹھایا (صحیح بخاری باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین،

بروایت عبداللہؓ بن مسعودؓ)۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ کی عمر اس وقت اتنی تھی کہ وہ اس بھاری بوجھ کو ہٹا سکیں۔ اگر اُن کی عمر 10/11 سال تسلیم کر لی جائے تو حضرت عباسؓ کی عمرِ سیّدہ فاطمہؓ کی روایت کی تطبیق ہو جاتی ہے۔ اِس طرح سیّدہ عائشہؓ اور سیّدہ فاطمہؓ کی عُمر کے فرق کے مطابق سنہ 4/5 نبوت میں سیّدہ عائشہؓ کی عمر کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے بھی گیارہ سال بعد سنہ 2 ھ میں رخصتی کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر 19/20 سال تھی۔

50۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت سیّدہ فاطمہؓ کی عمر 29/30 سال اور سیّدہ عائشہؓ کی عمر 27/28 سال تھی

جمہور کی رائے ہے کہ سیّدہ فاطمہؓ کی عمر وفات کے وقت صرف 18/19 سال تھی لیکن متعدد احادیث اور تاریخ کی روشنی میں یہ رائے درست قرار نہیں پاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات 12 ربیع الاول سنہ 11 ھ کو ہوئی اور سیّدہ فاطمہؓ نے بھی اُسی سال رمضان سنہ 11 ھ میں وفات پائی۔ زبیر بن بکار سے روایت ہے کہ **سیّدہ فاطمہؓ کی وفات کے موقع پر، خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے اِستفسار پر حضرت عبداللہ بن امام حسنؓ نے بتایا کہ سیّدہ فاطمہؓ نے 30 سال کی عمر میں وفات پائی جبکہ مشہور، مؤرخ کلبی نے سیدہ فاطمہؓ کی عمر 35 سال بیان کی** (رحمۃ للعالمین جلد دوم صفحہ 110)۔ چونکہ سیّدہ فاطمہؓ اور سیّدہ عائشہؓ تقریباً ہم عمر تھیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت اگر سیّدہ فاطمہؓ کی عمر 30 سال تھی تو سیّدہ عائشہؓ کی عمر تقریباً 28/29 سال قرار پاتی ہے۔ اِس حساب سے بھی 9 سال قبل 2 ھ میں رخصتی کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 19/20 سال ہی کی تصدیق ہوتی ہے۔

51۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت اُسامہؓ کی عمر 19/20 سال اور سیّدہ عائشہؓ کی عمر 27/28 سال تھی

ہمیں تاریخی حوالوں سے معلوم ہے کہ **حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں شام پر حملے کے لیے جو لشکر ترتیب دیا تھا اس کا سپہ سالار اُسامہؓ کو مقرر فرمایا تھا۔** ولی الدین خطیب نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے وقت اسامہ کی عمر 20 سال (مشکوٰۃ صفحہ 858) جبکہ حافظ ابن کثیر نے 19 سال بیان کی ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے وقت اسامہ کی عمر 19/20 سال تھی، لہٰذا عائشہؓ کی عمر اُسامہ سے 7/8 سال زیادہ یعنی 27/28 سال اور 9 سال قبل 2ھ میں شادی کے وقت 18/19 سال کی تائید ہوتی ہے (بحوالہ پیرا گراف نمبر 36)۔

52۔ سنہ دس نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نکاح کے وقت سیّدہ عائشہؓ عاقل و بالغ دوشیزہ تھیں

ا۔ ماہِ رمضان سنہ 10 نبوت میں سیّدہ خدیجہؓ کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر پچاس سال تھی۔ صحیح بخاری کی روایات کے مطابق حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی اور مشہور صحابیہ سیّدہ خولہؓ بنت حکیم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اکثر غمگین اور افسردہ پایا تو انہیں عقدِ ثانی کا مشورہ دیتے ہوئے سیدہ عائشہؓ (باکرہ) اور سیّدہ سودہؓ (بیوہ) کے نام تجویز کیے۔ ہر صاحبِ شعور یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ازدواجی رفاقت کوئی بالغ خاتون ہی فراہم کر سکتی تھی۔ ماہِ شوال سنہ 10 نبوت میں حضورؐ نے سیدہ خولہؓ کو دونوں جگہ پیغام دینے کیلئے کہہ دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو علم تھا کہ یہ دونوں خواتین بالغ ہونے کی بنا پر سیدہ خدیجہؓ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا پُر کر سکتی تھیں اور ازدواجی زندگی کے جُملہ تقاضے پُورے کرنے کی اہل تھیں۔ سیّدہ سودہؓ نے تو نکاح کے فوراً بعد گھریلو ذمہ داریاں سنبھال لیں لیکن حضرت ابوبکرؓ کو جبیر بن مطعم سے سیّدہ عائشہؓ کا رشتہ ختم کرنے میں کچھ وقت لگا۔

ب۔ اِسی عرصے میں قریش مکہ کی جانب سے ایذارسانی میں مزید شدت آگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کے منصوبے بننے لگے۔ اگلے چند ماہ ہجرت کی اجازت کے انتظار اور تیاریوں میں صرف ہوئے۔ نتیجتاً عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نکاح سنہ 13 نبوت تک مؤخر ہوتا گیا۔ ہجرتِ مدینہ کے کچھ ہی عرصہ بعد عائشہؓ رخصت ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کے گھر آ گئیں۔ اس طرح نکاح اور رخصتی کے درمیان صرف سال ڈیڑھ سال کا وقفہ تھا جو کہ اہلِ عرب کے دستور اور مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں قابلِ فہم ہے۔

53۔ سیّدہ عائشہؓ کی عمر کا ایک اور نا قابلِ تردید ثبوت

ا۔ ہشام بن عُروہ کی روایت کے مطابق سنہ 2 ہجری میں رخصتی کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر 9 سال تھی۔ اس حساب سے 5 سال قبل سنہ 10 نبوت میں مبیّنہ نکاح کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر (9-5) 4 سال بنتی ہے۔ بصورت دیگر اگر سنہ 10 نبوت میں عائشہؓ کی عمر 6 سال تھی تو 5 سال بعد سنہ 2ھ میں رخصتی کے وقت (6+5) گیارہ سال ہونی چاہیے۔ تاہم ہشام بن عروہ اور ان کے متابع راویوں کا اصرار ہے کہ شوال 10 نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر چھ ہی سال تھی۔

ب۔ اس تضاد بیانی سے قطع نظر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر کسی بھی وجہ سے سیّدہ سودہؓ سے رشتہ طے نہ پاتا، یا سیّدہ عائشہؓ کی جبیر سے ہونے والی منگنی کے باعث تاخیر نہ ہوتی تو سیدہ عائشہؓ فوراً ہی خدیجہؓ کی جگہ لیتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ کے طور پر جملہ ازدواجی فرائض پورے کرتیں۔ یہ تو محض اتفاق ہے کہ ماضی میں جُبیر بن مطعم سے طے پانے والا رشتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی میں التوا کا باعث بن گیا ورنہ سیّدہ عائشہؓ سنہ 10 نبوت میں ہی رخصت ہو کر کاشانۂ نبوت میں آ جاتیں۔ کیا نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ تصوّر کرنا درست ہوگا کہ (معاذ اللہ) انہوں نے 4 سالہ بچی سے نکاح اور ازدواجی تعلقات کو مباح سمجھا ہوگا؟ ایک چار سالہ نابالغ بچی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازدواجی رفاقت کیسے فراہم کر سکتی تھی؟ اِس دلیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ دس نبوت میں سیّدہ عائشہؓ کے لیے شادی کا پیغام اسی لیے بھیجا تھا کیونکہ وہ بالغ و عاقل دوشیزہ ہوتے ہوئے تمام ازدواجی ذمہ داریاں نبھانے کی اہل تھیں۔

ج۔ حقیقت یہ کہ سیّدہ عائشہؓ سے مروی روایت کے مطابق ان کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح سنہ

10 نبوت میں نہیں بلکہ سنہ 13 نبوت میں ہجرتِ مدینہ سے چند ماہ قبل ہوا تھا (حدیث نمبر 943 کتاب الادب جلد 3 صحیح بخاری)۔ ہمارے دلائل کی رُو سے سنہ 13 نبوت میں سیّدہ عائشہؓ کی عمر 17 سال تھی۔

54۔ ہجرت کے وقت سیّدہ اسماءؓ کی عمر 27 سال تھی اور وہ سیّدہ عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں

شیخ ولی الدین خطیب اپنی کتاب ''الاکمال فی اسما'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''سیّدہ اسماءؓ جو عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ ہیں، مکّہ میں ابتداء میں اسلام لائیں۔ وہ اپنی چھوٹی بہن عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں ۔ اپنے بیٹے کی شہادت کے دس دن بعد وفات پائی۔ ان کی عمر سو سال ہوئی اور یہ واقعہ 73ھ میں مکّہ میں پیش آیا''۔ (مشکوٰۃ طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور جلد سوم صفحہ نمبر 303، بحوالہ حافظ ذہبی، ابن کثیر اور ولی الدین خطیب)۔ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اور طبری نے تاریخ طبری میں سیدہ اسماءؓ اور سیّدہ عائشہؓ کی عمروں کا یہی فرق بیان کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سگی پھوپھی سیّدہ صفیہؓ بنت عبدالمطلب، سیّدہ خدیجہؓ کے سگے بھائی عوام سے بیاہی گئیں۔ ان کے بیٹے کا نام زبیرؓ بن عوام تھا جو سیّدہ خدیجہؓ کے سگے بھتیجے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے پھوپھی زاد بھائی اور مشہور صحابی تھے۔ سیّدہ عائشہؓ کی علّاتی بہن سیّدہ اسماءؓ کی شادی حضرت زبیرؓ بن عوام سے ہوئی۔ ہجرت کے موقع پر ان کی عمر 27 سال تھی۔ اس حساب سے بوقتِ ہجرت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 17 سال تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہجرت کے پہلے سال مدینہ میں پیدا ہوئے تو مہاجرین اور انصار نے مشترکہ طور پر یہ پہلی خوشی منائی۔ عُروہ ان کے دوسرے بیٹے تھے۔

55۔ سیّدہ اسماءؓ نے 73ھ میں بعمر سو سال وفات پائی اور وہ سیّدہ عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں

ا۔ تمام مؤرخین سیّدہ اسماءؓ کے سنہ وفات اور سو سالہ عمر پر بلا استثنا متفق ہیں۔ امام ولی الدین

خطیب کی اسماء الرجال صفحہ 303 نمبر شمار 60 کے مطابق سیّدہ اسماؓ بنت ابی بکرؓ نے مکہ میں سترہ آدمیوں کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور وہ سیّدہ عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ سیّدہ اسماءؓ 73 ھ میں بوقت وفات 100 سال کی تھیں، لہٰذا 73 سال قبل ہجرت کے وقت ان کی عمر 27 سال کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ چونکہ سیّدہ عائشہؓ ان سے دس سال چھوٹی تھیں لہٰذا ہجرت کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 17 سال قرار پاتی ہے۔

ب۔ سیدہ عائشہؓ بھی اگر 73 ھ تک زندہ رہتیں تو ان کی عمر 90 سال ہوتی۔ تقویم کے حساب سے 58 ھ میں وفات کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر (15-90) 75 سال تھی۔ حضور ﷺ کی وفات ان سے 47 سال قبل سنہ 11 ھ میں ہوئی، لہٰذا حضور ﷺ کی وفات کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر (74-47) 27 سال اور مزید 9 سال قبل شادی کے وقت 18/19 سال پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔

56۔ سیّدہ عائشہؓ نے پندرہ سال سے زائد عمر میں جنگِ بدر اور جنگِ اُحد میں شرکت فرمائی

جنگ بدر کی عینی شاہد

ا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق سیّدہ عائشہؓ نے جنگِ بدر سنہ 2 ھ میں شرکت فرمائی۔ سیّدہ عائشہؓ نے صیغہ واحد متکلم (First Person) اور جمع متکلم استعمال کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ بحرۃ الغریرہ اور بعد ازاں شجرہ کے مقام پر ایک بہادر اور جری شخص آیا اور حضور ﷺ سے جنگِ بدر میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضور ﷺ نے مشرک ہونے کے باعث اس کی استعانت قبول نہ کی۔ تاہم وہ تیسری بار مقامِ بیداء پر پھر حاضر ہوا اور ایمان قبول کر لیا تو حضور ﷺ نے اسے جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی۔ اس واقعے کے اندازِ بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سیدہ عائشہؓ بنفسِ نفیس اس واقعے کی عینی شاہد ہیں (صحیح مُسلم جلد دوم صفحہ نمبر

118، مطبوعہ اصح المطابع صحیح مُسلم، جلد 5، صفحہ 107-108)۔

ب صحیح بخاری میں ایک طویل روایت ہے، جس کا لُبِ لباب یہ ہے کہ جنگِ بدر کے بعد کفار کی لاشیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے ایک غلیظ کنوئیں میں پھینک دی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ "فلاں ابنِ فلاں! اب تو تم بھی چاہتے ہو گے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرتے، کیونکہ ہم سے ہمارے ربّ نے جو وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے حق پر پایا، تو کیا تم سے تمہارے ربّ نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے حق پر پایا"؟ اِس ضمن میں، ایک دوسرے موقع پر سیّدہ عائشہؓ نے وضاحت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بدر کے مشرکین کے متعلق یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سُن رہے ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اب تو ان کو علم ہو گیا ہو گا کہ میں ان سے جو کچھ کہا کرتا تھا، وہ حق تھا۔ یعنی سیّدہ عائشہؓ نے عینی شاہد کے طور پر تصحیح کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یَسْمَعُوْنَ نہیں فرمایا تھا بلکہ یَعْلَمُوْنَ کہا تھا اور ساتھ قرآنِ مجید کی دو آیات تلاوت کیں کہ "آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے" اور "آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں" (بخاری جلد دوم صفحہ 566)۔

ج۔ جنگِ بدر میں اِسلامی لشکر کا پرچم سیّدہ عائشہؓ کی چادر سے بنایا گیا تھا (سیرتِ حلبیہ جلد 3 صفحہ 147)۔ اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر ہی سے یہ چادر لے کر چلے تھے ورنہ قرینِ قیاس یہ امر ہے کہ جب لشکر صف آرا ہوئے اور پرچم کے لئے مناسب کپڑے کی عدم دستیابی کا احساس ہوا تو سیّدہ عائشہؓ نے اپنی چادر مرحمت فرمادی۔

د۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ سیّدہ عائشہؓ ان دونوں واقعاتِ بدر کی عینی شاہد ہیں اور وہ جنگِ بدر میں شریک تھیں۔ سیّدہ عائشہؓ کی رُخصتی اور جنگِ بدر دونوں سنہ 2ھ میں واقع ہوئیں۔ اگر اُس وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 9 سال تھی تو کیا 9 سالہ بچی نے جنگ میں شرکت کی؟

ہ۔ **صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مطابق سیّدہ عائشہؓ نے جنگِ احد میں شرکت فرمائی۔**

امام مُسلمؒ اور امام بخاریؒ کے مطابق سیّدہ عائشہؓ نے جنگِ اُحد میں بھی شرکت فرمائی۔ چوں کہ پندرہ سال سے کم عمر کسی فرد کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کی اجازت نہیں دی تھی لہٰذا ان کی عمر یقیناً پندرہ سال سے زائد تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب بدری اصحاب کے لیے خصوصی وظیفہ مقرر کیا تو سیّدہ عائشہؓ کو بھی دیگر اصحاب سے زائد وظیفہ ملتا رہا (مُسلم جلد 5، کتاب الجہاد والسیر صفحہ 99-102)۔ اس حوالے سے بھی 9 سال کی عمر میں شادی کی تردید ہو جاتی ہے۔

و۔ واضح رہے کہ جدید طبی تحقیق کے مطابق لڑکپن اور بلوغت میں 14/15 سال کی عمر ''حدِ فارق'' (Dividing Line) ہے۔ پندرہ سال کی عمر سے بلوغت کا آغاز ہوتا ہے۔ قریب البلوغ لڑکی کو مراہقہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد مزید حیاتیاتی تبدیلیاں 18/20 سال کی عمر تک جاری رہتی ہیں حتیٰ کہ بلوغت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوات میں شرکت کی اجازت صرف ان افراد کو دی جن کی بلوغت کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس اصول کے مطابق سنہ 3ھ میں بھی غزوۂ احد کے موقع پر سیدہ عائشہؓ کی عمر 15 سال سے زیادہ طے پاتی ہے۔

57۔ کیا دس سالہ بچی بھاری مشک بھر بھر کر لا سکتی تھی؟

صحیح بخاری کے مطابق غزوہ احد (سن 3ھ) میں سیّدہ عائشہؓ اور ام سلیمؓ مشکوں میں پانی لا کر زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔ (جلد دوم، باب الجہاد والسیر روایت 142-143 صفحہ 98)۔

اس طرح سیّدہ عائشہؓ کی عمر بہر حال پندرہ سال سے زائد تھی کیونکہ نہ تو اس سے کم عمر کسی شخص کو غزوہ احد میں شرکت کی اجازت ملی اور نہ ہی 10 سالہ بچی بھاری مشک بھر بھر کر لا سکتی تھی۔ ہشام بن عروہ کے مقلدین یہ دلیل دیتے ہیں کہ پندرہ سال عمر کی پابندی صرف جنگجو مردوں کے لیے تھی نہ کہ زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے والی عورتوں کے لیے۔ یہ بات عقلِ سلیم کے خلاف ہے کہ اپنی حفاظت کے قابل مسلح مردوں پر تو عمر کی پابندی لگائی جائے لیکن عورتوں کو نہ صرف نہتا ہی میدان جنگ میں جھونک دیا جائے بلکہ بالغ عورت اور کم سن بچی

کا فرق بھی ملحوظِ خاطر نہ رکھا جائے۔ واضح رہے کہ اُس زمانے کے دستور کے مطابق عورتوں کے لیے خطرات کہیں زیادہ تھے کیونکہ قید ہونے کی صورت میں انہیں باندیاں بنا لیا جاتا تھا۔

58۔ جبیر سے منگنی یا نکاح کے وقت سے سیّدہ عائشہؓ کی عمر کا تعیّن

معروف مصری سکالر عباس محمود العقاد کے مطابق سنہ 10 نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدہ عائشہؓ کے لیے پیغام بھیجا تو سیّدہ عائشہؓ پہلے سے جبیر بن مطعم کے نکاح میں تھیں، صرف رخصتی باقی تھی۔ سیدہ عائشہؓ کے بالغ ہونے کے بعد تو یہ رشتہ ممکن ہی نہ تھا کیونکہ اُس وقت تک ابوبکرؓ کے قبول اسلام کی وجہ سے دونوں خاندانوں میں مذہبی اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ لہٰذا یہی امکان ہے کہ جبیر اور سیّدہ عائشہؓ کی نسبت ظہورِ اِسلام سے قبل بچپن میں ہوئی ہو۔ عباس محمود نے اپنی بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت عائشہؓ کی عمر بہر حال 12 سے 15 سال تک تھی۔ نو سال عمر تو کسی بھی پیمانے سے درست نہیں ٹھہرتی۔

59۔ جبیر سے قبل از اسلام نکاح سے، سیّدہ عائشہؓ کی پیدائش بھی قبل از اِسلام ہی ثابت ہوتی ہے۔

عباس محمود العقاد کی نظر سے ایک اہم پہلو اوجھل رہا کہ جبیر سے سیّدہ عائشہؓ کی نسبت زمانہ قبل اسلام میں تب ہی ممکن تھی اگر سیّدہ عائشہؓ کی پیدائش بھی زمانہ قبل اسلام میں ہو چکی ہوتی۔ حقیقتِ حال یہی ہے کہ سیدہ عائشہؓ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہو چکی تھیں اور ان کی جبیر سے نسبت بھی تبھی طے پائی تھی۔ ان حقائق کے پیشِ نظر سیدہ عائشہؓ کی عمر کا تعین کیا جائے تو ہمارے بیان کردہ نتائج درست قرار پاتے ہیں کہ سیّدہ عائشہؓ حضور سے نکاح کے وقت عاقل و بالغ دوشیزہ تھیں۔

60۔ کیا ابوبکر صدیقؓ سنہ 10 نبوت میں اپنی پانچ سالہ بچی کی رخصتی پر اصرار کر رہے تھے؟

ا۔ سنہ 10 نبوت میں، جب خولہؓ نے حضور کی جانب سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سیّدہ عائشہؓ کے لیے شادی کا پیغام دیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ نہیں کہا کہ عائشہؓ تو ابھی 5 سالہ بچی ہے۔ بلکہ یہ کہا کہ میں مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر کا رشتہ سیّدہ عائشہؓ کے لیے قبول کر چکا ہوں۔ مجھے کچھ مہلت دیں تا کہ میں انکا عندیہ معلوم کرلوں۔ واضح رہے کہ عائشہؓ کی جبیر سے نسبت ہجرتِ حبشہ (سنہ 5 نبوت) سے کافی پہلے طے پا چکی تھی۔ سنہ 10 نبوت میں جب ابوبکرؓ مطعم بن عدی سے سیّدہ عائشہؓ کی رخصتی کے متعلق دریافت کرنے گئے تو زیر بحث روایات کے مطابق عائشہؓ کی عمر پانچ سال تھی۔ اگر وہ پیدا ہی سنہ 5 نبوت میں ہوئی تھیں تو کیا پیدا ہوتے ہی ان کی منگنی کر دی گئی تھی اور سنہ 10 نبوت میں کیا حضرت ابوبکرؓ اپنی پانچ سالہ بیٹی کی رخصتی پر اصرار کر رہے تھے؟ ظاہر ہے کہ سَنہ دس نبوت میں سیدہ عائشہؓ کی کم از کم عُمر 14/15 سال تھی۔

ب۔ جبیر بن مطعم اپنے قبیلے کا سرکردہ قوی جوان مرد تھا اور حضور ﷺ کی مکہ سے ہجرت کے وقت جو لوگ حضور ﷺ کو شہید کرنے کے لیے نام زد کئے گئے تھے جبیر بھی ان میں شامل تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک بھرپور جوانمرد کی منگنی دو تین سالہ بچی سے تو طے نہیں کی گئی ہوگی کہ وہ مزید بارہ تیرہ سال تک اُس کے بالغ ہونے کا انتظار کرتا رہے۔ مزید برآں نہ تو دو سالہ بچی کا قبولِ اسلام کوئی معنی رکھتا ہے اور نہ ہی وہ جبیر کی لادینی کا باعث بن سکتی تھی۔

61۔ عربوں میں منگنی کا دستور

علامہ عینی شرح بخاری میں اور صاحب نہایہ اپنی کتاب میں عربوں میں منگنی کے دستور پر

روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

ا۔ ’’عموماً ایک ایسی زمانہ شناس عورت کو جو عورتوں کے معاملات سے خوب واقفیت رکھتی ہو لڑکی کے گھر بھیجا جاتا تھا۔ وہ لڑکی سے ملتی، اس کے تمام اوصاف سے واقفیت حاصل کرتی، اُس کے عقل وشعور اور سلیقہ کا امتحان لیتی اور واپس آ کر لڑکے والوں کو تمام کوائف سے آگاہ کرتی‘‘۔ ظاہر ہے کہ کم سن بچی سے ملاقات اور اس کی جانچ بالکل بے معنی بات ہے۔

(بلوغ الارب؛ تاریخ العرب فی معرفۃ احوال العرب از محمود الالوسی)

ب۔ ’’شادی کا عُقد منگنی اور مہر کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ الفتیٰ (جوان مرد) اپنے ولی یا کسی قریبی عزیز کو اَلْفَتَاۃ (جوان لڑکی) کے والد، چچا، بھائی یا کسی دوسرے ولی کے پاس بھیجتا تھا۔ وہ جا کر پہلے اَلْفَتَاۃ اور اُس کے خاندان کے محاسن گنواتا اور مؤکل کی اس خواہش کا اظہار کرتا کہ وہ ان سے رشتہ کا خواہشمند ہے۔ پھر اَلْفَتیٰ کی تعریف ہوتی اور اُس کے کفو ہونے کی بنا پر رشتہ طے پاتا‘‘۔ دونوں اطراف سے اَلْفَتیٰ اور اَلْفَتَاۃ (جوان لڑکا اور جوان لڑکی) کے الفاظ کے استعمال سے واضح ہے کہ نکاح تو کیا، عربوں میں ’’نابالغ بچوں‘‘ کی منگنی کرنے کا بھی رواج نہیں تھا۔

62۔ عرب میں لڑکیوں کی شادی کی اوسط عمر

جزیرۃ العرب میں شادی کی اوسط عمر 18 سے 25 سال تھی (بحوالہ شرح بخاری از علامہ بدر الدین العینیؒ و بلوغ الارب و تاریخ قبل الاسلام)۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ 21 سال کی عمر میں اور اُمّ کلثومؓ 18 سال کی عمر میں بیاہی گئیں۔ سیّدہ زینبؓ بنت جحش (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن) کی شادی زید بن حارثہؓ سے 17/18 سال کی عمر میں ہوئی۔ سیّدہ عائشہؓ کی بڑی بہن، ہشام بن عروہ کی دادی، سیّدہ اسماءؓ قبول اِسلام کے وقت پندرہ سالہ باکرہ تھیں۔ لہٰذا ان کی شادی 15 سال سے زائد عمر میں ہی ہوئی ہوگی (تہذیب التہذیب جلد دوم صفحہ 44-47)۔

63۔ مشرکین ومنافقین حضورﷺ کی شادی پر معترض کیوں نہ ہوئے؟

حضورﷺ نے اگر عرب رسم ورواج کے خلاف ایک نابالغ لڑکی سے شادی کی ہوتی تو مشرکین اور منافقین کو حضورﷺ کا مضحکہ اڑانے کا بنا بنایا موقع فراہم ہوجاتا۔ لیکن تاریخ کے مطالعے سے اِس شادی پر کفار کی جانب سے کوئی اعتراض سامنے نہیں آتا کیونکہ یہ معاملہ عرب معاشرے کے مروّجہ دستور کے عین مطابق تھا جہاں شادی کی اوسط عمر 18 سے 25 سال تھی۔

64۔ حضورﷺ کا کوئی قول اور فعل قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتا

سیّدہ عائشہؓ سے جب حضورﷺ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کیا تُو نے قران نہیں پڑھا؟ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن۔ یعنی حضورﷺ کے اخلاق قرآن کی عملی تفسیر ہیں۔ چونکہ حضورﷺ کی سیرتِ طیّبہ قرآنی قوانین واحکامات کی عملی تفسیر ہے، ہمارا ایمان ہے کہ حضورﷺ نے ان احکامات سے کسی صورت میں رُوگردانی نہیں کی ہوگی۔ آیئے قرآن سے رجوع کریں کہ نکاح کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکامات کیا ہیں۔

سرچشمۂ ہدایت قرآن مجید میں نکاح کے لئے بلوغت لازمی شرط ہے

65۔ دینِ اسلام میں نکاح کی اوّلین شرط بلوغت ہے۔

سورۃ النّساء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النسآء 4:6)

ترجمہ: ”اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم ان میں اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کردو“۔

تفسیر: یعنی جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچ رہے ہوں تو دیکھتے رہو کہ ان کا عقلی نشوونما کیسا ہے۔ مال ان کے حوالے کرنے کے لیے دو شرطیں عائد کی گئی ہیں: ایک بلوغ، دوسرے رشد یعنی مال

کے صحیح استعمال کی اہلیت۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 323)

ہماری دانست میں ''وَابْتَلُوا'' کا لفظ صرف عقلی نشو ونما کی آزمائش تک محدود نہیں بلکہ یتیم بچیوں کو جسمانی اور عقلی دونوں طرح سے جانچنے کے عمل پر محیط ہے۔ ذرا سوچئے کہ ان کا عقلی معیار جانچنے سے پہلے آپ کو یہ پتا کیسے چلے گا کہ وہ بلوغ کو پہنچ چکے ہیں، لہٰذا ان کی فہم وفراست کو بھی آزمانے کا وقت آگیا ہے؟ وَابْتَلُوا سے مراد ہے کہ مشاہدہ کرتے رہو کہ تمہارے زیر کفالت بچوں میں بلوغت کی فطری اور طبعی نشانیاں کب ظاہر ہوتی ہیں۔ جب بلوغت کے آثار واضح ہو جائیں تو یہ ''نکاح کے قابل'' عمر ہے۔ اس عمر میں اگر ان کی فہم وفراست بھی اس معیار کی ہے کہ وہ اپنے اموال کی حفاظت کر سکیں تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دیئے جائیں گے ورنہ اِس عمل کو کچھ عرصے کے لیے موخر (Delay) کر دیا جائے گا۔

66۔ اگر کسی بھی عمر میں نابالغ بچی کا نکاح کیا جا سکتا ہے تو یتیم بچیوں کے اموال واپس کرنے کی درست عمر کا تعین کیونکر ہو گا؟

ایک مخصوص سوچ والے حضرات دلیل دیتے ہیں کہ سورۃ النّساء کی یہ آیات صرف یتیموں کے اموال واپس کرنے کے حکم سے مخصوص ہیں اور ان سے نکاح کی عمر کا تعیّن نہیں ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بلوغت سے قبل ہی بچیوں کے نکاح کی اجازت ہے تو حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یعنی نکاح کے قابل عمر کو پہنچنے کے قرآنی حکم پر عمل کیسے ممکن ہو گا؟ آپ نے تو ''نکاح کے قابل عمر'' سے پہلے ہی ان کا نکاح کر کے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر دی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ نابالغ بچیوں کا نکاح ''نکاح کے قابل عمر'' سے پہلے ہی کر دیا گیا تو پھر ان کے اموال ان کے حوالے کرنے کی عمر کا تعین کیسے کیا جائے گا؟ تیسرا سوال یہ ہے اللہ تعالیٰ نے یتیم بچیوں کے اموال بھی ان کے حوالے کرنے کے لیے جسمانی اور عقلی بلوغت کی شرط عائد کر رکھی ہے لیکن آپ ان کا نکاح بھی قبل از بلوغت جائز قرار دے رہے ہیں جو اموال کی نسبت کہیں زیادہ سنجیدہ اور اہم مسئلہ ہے۔

67۔ کیا نکاح کے قابل عمر کو پہنچنے سے پہلے نکاح کر دینا قرآن کی رُوح کے خلاف نہیں؟

"حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ" سے صاف ظاہر ہے کہ جب قانونِ فطرت کے مطابق بلوغت کے آثار واضح ہو جائیں یعنی عورتوں میں ایاّم شروع ہو جائیں، صنفی تبدیلیاں دکھائی دینے لگیں، مردوں میں داڑھی مونچھ اُگ آئے، مادۂ تولید پیدا ہو جائے تو انہیں نکاح کے قابل سمجھا جائے گا کیونکہ نکاح کا مقصد ہی افزائشِ نسل ہے۔ اگر یہ شرائط ضروری نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ "حتیٰ نکاح" بھی کہہ سکتے تھے یعنی عمر سے قطع نظر جب یتیموں کا نکاح ہو جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔ **گویا اللہ کے نزدیک نکاح کے قابل وہی عمر ہے جب قانونِ فطرت اور عام مشاہدے کے مطابق بلوغت کے آثار واضح ہو جائیں۔ لہٰذا بلوغت سے قبل نکاح مطلقاً قرآنی احکام کے خلاف ہے۔**

امام ابو حنیفہ متوفی 148ھ کے ہم عصر قاضی ابن شبرمہ نے جن کا شمار کبار فقہا میں ہوتا ہے، مندرجہ بالا آیت ہی سے استدلال کرتے ہوئے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی عمر 18 اور 16 سال مقرر فرمائی ہے۔ نامور فقیہہ قاضی ابو بکر الاصم نے بھی اپنے فتاویٰ میں یہی فتویٰ دیا ہے۔ شمس الائمہ علامہ سرخسی نے تحریر کیا ہے کہ "ابن شبرمہ اور ابو بکر الاصم کہتے ہیں کہ **صغیر اور صغیرہ (نابالغ لڑکے اور لڑکی) کا نکاح نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائیں۔** اگر بلوغت سے پہلے نکاح جائز ہوتا تو قرآن کریم میں "حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ" کے الفاظ بے فائدہ ہو جاتے ہیں (کتاب المبسوط جلد 4 صفحہ 193 مطبوعہ مصر)۔ شیخ الاسلام امام احمد بن علی رازی جصاص نے جو فقہائے حنفیہ میں سے ہیں، قاضی ابن شبرمہ اور ابو بکر الاصم کا قول تحریر کیا ہے کہ **نابالغوں کا نکاح اگر ان کے آباء کر دیں تو وہ جائز نہیں ہوتا اور ابو بکر الاصم کا مذہب بھی یہی ہے** (احکام القرآن جلد 2 صفحہ 64)۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نابالغ بچیوں سے نکاح اور جنسی مقاربت کو جائز قرار دینے والے

معدودے چند حضرات کے سوا کوئی بھی سلیم الفطرت شخص اس فعل کو از رُوئے قرآن اور سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درست نہیں سمجھتا۔

68۔ یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ سے مراد مکمل جسمانی اور ذہنی بلوغت یعنی بھرپور جوانی ہے

اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق جسمانی اور ذہنی بلوغت کی تکمیل کے لیے قرآنِ کریم میں بَلَغَ اَشُدَّهٗ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یتیموں کے مال سے متعلق مزید دو آیات (الانعام 152:6؛ اور بنی اِسرائیل 35:17) میں فرمایا گیا ہے کہ یتیموں کے بھرپور جوانی کو پہنچنے تک (بھی) ان کے مال کے قریب ہرگز مت جاؤ۔ اِس سے یہ مراد ہے کہ محض بلوغت کے آغاز یا صرف جسمانی طور پر بلوغت کی تکمیل کافی نہیں بلکہ جسمانی اور عقلی دونوں لحاظ سے مکمل بلوغت لازم ہے۔

69۔ یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ اور بَلَغَ اَشُدَّهٗ سے کیا مراد ہے؟

قرآنِ مجید میں یہ دو تراکیب سورۃ یوسف 22:12؛ سورۃ القصص 14:28؛ سورہ الاحقاف 15:47؛ سورۃ انعام 152:6 اور اسرائیل 34:17 میں مختلف مواقع پر ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ علامہ عبداللہ یوسف علی نے الفاظ کے معمولی ردّ و بدل کے ساتھ انکا یہ ترجمہ کیا ہے:-

ا۔ When he (Yousaf) attained his full manhood
جب یُوسف ؑ مکمل مردانگی کو پہنچ گئے۔

ب۔ When he (Musa) reached his full age. جب موسیٰ ؑ بھرپور (کامل) جوان ہو گئے۔

ج۔ When he reaches the age of full strength and can fulfil every engagement (obligation) جب انسان بھرپور قوّت (کامل جوانی) کی عمر کو پہنچتا ہے اور تمام معاشرتی ذمہ داریاں پوری کر

سکتا ہے۔

متذکرہ بالا آیاتِ قرآنی میں مکمل بلوغت کے لیے یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ کے الفاظ کے استعمال سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ قرآنِ کریم بلوغت کے آغاز (Pre-puberty) اور بلوغت کی تکمیل (Puberty) کے درمیان فرق ملحوظِ خاطر رکھتا ہے۔

مکمل بلوغت وہ عمر ہے جب انسان ذہنی اور جسمانی طور پر بھرپور جوان (بَلَغَ اَشُدَّهٗ) ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے بُرے بھلے سے آگاہ ہوتا ہے اور معاشرتی و خانگی ذمہ داریاں پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نابالغ لڑکی یا لڑکا ان شرائط پر پورا ہی نہیں اترتے، لہٰذا بلوغت کی اس تعریف کی روشنی میں انکا نکاح قرآن کی رُوح کے خلاف ہوگا۔

70۔ ازرُوئے قرآن غیر حائضہ نابالغ لڑکی سے نکاح جائز نہیں

سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی نو سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے شادی کی روایت کو درست ماننے والوں نے سورۃ طلاق کی آیت نمبر 4 کی غلط تعبیر کر کے نابالغ لڑکی سے نکاح اور مباشرت کو بھی درست قرار دے رکھا ہے۔ یہ آیت عدّت کی مدت کا تعیّن کرتی ہے۔ عام عورتوں کے لیے عدّت کی مدت چار ماہ دس دن ہے۔ تاہم جو عورتیں بندش حیض کی عمر کو پہنچ چکی ہیں یا جن عورتوں کو بوجہ عارضہ حیض آتا ہی نہیں ان کے لیے ارشادِ الٰہی ہے:۔

★ وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ

(اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض آنے سے نا اُمید ہو چکی ہوں تو ان کی عدّت تین ماہ ہے اور ایسے ہی (تین ماہ کی عدّت ان کے لیے بھی ہے) جن کو حیض نہیں آتا۔

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں ”عدّت کا سوال اس عورت کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے جس سے شوہر خلوت کر چکا ہو۔۔۔ لہٰذا اس عمر میں (حیض آنے سے پہلے) نہ صرف لڑکی کا نکاح کر دینا بلکہ شوہر کا اس سے خلوت کرنا بھی جائز ہے“۔ مزید فرماتے ہیں ”جس

چیز کو قران نے جائز قرار دیا ہو اسے ممنوع قرار دینے کا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا'' (تفہیم القرآن جلد 5، ص 571)۔ مولانا کے آخری جملے سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا بشرطیکہ یہ ثابت ہوسکے کہ قرآن کی رُو سے نابالغ لڑکی کا نکاح اور اس سے مباشرت جائز ہے۔سورہ نساء کی آیت نمبر 6 میں ''حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ'' کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ اسلام میں نکاح، بلوغت سے مشروط ہے۔ دینِ فطرت میں شرفِ انسانی سے ہٹ کر کوئی احکام ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ دینِ اسلام کے پیشِ نظر اعلیٰ ترین انسانی اقدار پر مبنی ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جو غیر مسلموں کے لیے بھی باعثِ رشک ہو۔

71۔ سیّد مودودیؒ اندھی تقلید اور روایت پرستی کے خلاف تھے۔تاہم ''نو سال'' کی روایت کے سحر سے موصوف بھی نہ بچ سکے اور انھوں نے بھی بعض متقدمین کی طرح ہشام بن عُروہ کی روایت کو درست تسلیم کرتے ہوئے غیر حائضہ نابالغ لڑکی سے نکاح اور مباشرت کو جائز قرار دیا ہے۔ بقول اقبالؒ:۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

(بالِ جبریل)

72۔ حضرت سلیمانؑ سے متعلق قوی احادیث پر مولانا مودودیؒ کا موقف

مولانا مودودیؒ نے سورۃ ص کی آیت نمبر 34 کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت سلیمانؑ کا بھرپور دفاع کیا ہے اور بعض قوی احادیث کو اس لئے مسترد کر دیا ہے کہ وہ درایت اور عقلِ سلیم کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں۔ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے بخاری و مسلم اور دوسرے محدّثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے......ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے......لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی......ایسی روایات کو

محض صحتِ سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے''
(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 337)

مولانا مودودیؒ کا فرمانا بالکل درست ہے۔ تاہم تعجب ہے کہ انہوں نے ہشام بن عروہ کی روایت قبول کرتے ہوئے ذرا نہیں سوچا کہ نو سالہ غیر حائضہ بچی سے نکاح اور مباشرت کو جائز قرار دینے سے دین فطرت بھی مضحکہ بن سکتا ہے۔ نابالغ بچی سے جنسی مقاربت کی قرآن میں قطعاً اجازت نہیں اور نہ ہی یہ روایت رحمۃ اللعالمین کی سیرت طیبہ کی کسوٹی پر درست قرار پا سکتی ہے۔ واضح رہے کہ ہشام بن عروہ سے منسوب روایت حدیث بھی نہیں بلکہ روایتِ اثری ہے۔

73۔ ''لَمۡ یَحِضۡنَ'' میں نابالغ لڑکیاں شامل نہیں

مولانا مودودیؒ نے ''لَمۡ یَحِضۡنَ'' کا ایک مطلب درست بیان کیا ہے یعنی وہ عورتیں جنہیں کسی عارضے کے باعث بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر حیض نہ آئے اور وہ عورتیں بھی جنہیں عمر بھر حیض نہیں آتا (لغات القرآن، تاج، محیط و راغب)۔ دوسرا مفہوم یعنی ''نابالغ لڑکی جسے حیض نہ آیا ہو'' کو اِس حکم میں شامل سمجھنا اور اُس سے نکاح و مباشرت کو جائز قرار دینا ہماری دانست میں مولانا مودودی کی فاش علمی غلطی ہے۔

74۔ ''لَمۡ یَحِضۡنَ'' سے کون سی عورتیں مراد ہیں؟

وَالّٰٓئِیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ میں جن عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسی عورتیں ہیں جنہیں بتقاضائے عمر حیض آنا چاہیے تھا لیکن کسی عارضے کے باعث حیض ظاہر ہی نہیں ہوا یا کسی عارضے کے باعث مستقلاً بند ہو گیا ہو (لغات القران، ج2 صفحہ 568 بحوالہ متعدد تاج و محیط)۔ ان دونوں کیفیتوں کو بالترتیب ابتدائی اور ثانوی (Primary and Secondary) بندشِ حیض کہتے ہیں۔ ان عوارض کی متعدد وجوہات ہیں مثلاً ہارمون کی کمی، رحم کی عدم موجودگی یا حجم میں کمی، ایسٹروجن اور پروجیسٹرون میں عدم توازن، رحم کی جھلی کا جدا ہو جانا، وضع حمل کے بعد غدود نخامیہ (Pituitary Gland) میں رطوبت کا خشک ہو جانا اور دماغ کے اعصابی مرکز میں سے

لبلبے کی جانب والی نس میں رکاوٹ وغیرہ۔

75۔ نابالغ غیر حائضہ لڑکیوں کے لیے درست عربی الفاظ کیا ہیں؟

عربی لغات کے مطابق "لَمْ یَحِضْنَ" کی ترکیب میں نابالغ لڑکیاں جنہیں حیض نہ آیا ہو شامل ہی نہیں ہوسکتیں۔ عربی زبان کے مطابق "لَمْ" کا لفظ کسی امر کی مطلق نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کہ وقوع پذیر ہو چکا ہو یعنی وہ عورتیں جنہیں حیض آیا ہی نہیں یا کسی عارضے کے باعث مستقلاً بندشِ حیض ہو چکی ہے۔ لَمْ کا لفظ گرائمر کی رُو سے "نفی جحد بلم" یعنی مطلق نفی ہے جیسے کہ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ (اخلاص 3:112)۔ اس کے مقابلے میں دوسرا لفظ "لَمَّا" ہے۔ لمّا کا مطلب وقتی نفی ہے یعنی تا حال کوئی امر وقوع پذیر نہیں ہوا لیکن مستقبل میں اسکے ہونے کا امکان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پیشِ نظر غیر حائضہ نابالغ لڑکیوں کا ذکر ہوتا تو آیت کے الفاظ یوں ہوتے وَالّٰٓئِیْ لَمَّا یَحِضْنَ، کیونکہ سن بلوغت کو پہنچنے پر اگر انہیں کوئی عارضہ لاحق نہ ہوا تو حیض آنے کا روشن امکان ہے۔ لَمَّا کے استعمال کی چند مثالیں قرآنِ مجید سے پیشِ خدمت ہیں:

ا۔ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ أَمَرَهٗ۔ ہرگز نہیں، ابھی تو انسان نے اللہ کے دیئے ہوئے حکم کی تعمیل ہی نہیں کی (عبس 23:80)۔

ب۔ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۞ بلکہ انہوں نے ابھی تو میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا (ص 8:38)۔

ج۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ اور ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں رچا بسا ہی نہیں (الحجرات 14:49)۔

76۔ نابالغ بچی جو شرعی احکام کی مکلف ہی نہیں، اُس پر عدّت کے شرعی حکم کا اطلاق کیسے ممکن ہے؟

یہ ایک متفق علیہ امر ہے کہ نابالغ بچے احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہوتے۔ نابالغ بچوں

پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ و دیگر شرعی احکام کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اب اگر کسی نابالغ بچی کے ولی نے کم عُمری میں اُسے جوان خاوند کے حوالے کر دیا ہو اور اُس شخص نے مذکورہ بچی سے ہوس پوری کر کے اُسے چھوڑ دیا ہو یا خود وفات پا جائے تو اُس نابالغ بچی پر عدّت کے شرعی حکم کا اطلاق کیسے ہوگا؟

77۔ کمسن بچی جس پر عدّت اور دیگر شرعی احکام کا اطلاق نہیں ہوتا، اُس سے نکاح اور جنسی تعلقات کیونکر جائز ہو سکتے ہیں؟

جس لڑکی کو بلوغت سے پہلے ہی تباہ کر دیا گیا ہو وہ ''خیارِ بلوغ'' (بالغ ہونے پر پسند ناپسند کے اختیار) کا حق کیسے اور کیوں کر اِستعمال کرے گی؟ درست بات یہی ہے کہ نابالغ بچی نہ تو دیگر شرعی احکام کی پابند ہے نہ ہی عقدِ نکاح اور عدّت کی۔ لہٰذا نابالغ لڑکی جس پر عدّت اور دیگر شرعی احکام کا اطلاق ہی نہیں ہوتا، اُس کا نہ تو نکاح کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اُس سے مباشرت جائز ہے۔ سورۃ طلاق کی مذکورہ آیت میں ان عورتوں کا ذکر ہے جنہیں بتقاضائے عمر حیض آنا چاہیے تھا لیکن کسی عارضے کے سبب ایام ظاہر نہیں ہوئے۔ ایسی عورتوں کو امام مالکؒ کے نزدیک 17 سال کی عمر میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک 18 سال کی عمر میں اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک 15 سال کی عمر میں بالغ قرار دے دیا جائیگا۔

78۔ نابالغ بچہ کسی معاہدے کا فریق نہیں بن سکتا!

سورۃ نساء آیت 21 میں بیویوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (اور وہ تم سے پختہ عہد بھی لے چکی ہیں)۔ مولانا مودودیؒ کے مطابق ''پختہ عہد سے مراد نکاح ہے جو ایک مضبوط پیمانِ وفا ہے، جس کے استحکام پر بھروسہ کر کے ہی ایک عورت اپنے آپ کو ایک مرد کے حوالے کرتی ہے''۔

عبداللہ یوسف علی نے مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا کا مطلب Solemn Covenant لکھا ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اس کے معنی Strong Pledge بیان کئے ہیں۔ مولانا

مودودی کی طرح دیگر مفسرین نے بھی عہدِ نکاح ہی کو پختہ عہد قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک کمسن نابالغ بچی جو نکاح کی شرائط، مضمرات اور مہر کے تعین کی سمجھ بوجھ ہی نہیں رکھتی، اس معاشرتی دینی معاہدے میں فریق کیسے بن سکتی ہے؟ واضح رہے کہ کسی معاہدے کے لیے دونوں فریقوں کا عاقل و بالغ ہونا اولین شرط ہے جبکہ نابالغ بچی عہدِ نکاح کے نتائج و عواقب ہی سے بے خبر ہے۔ لہٰذا شرعاً ایسا ہر معاہدہ بشمول عہد نکاح غیر قانونی ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ دیگر مالی و کاروباری معاہدوں کے برعکس، عہد نکاح کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ زندگی بھر کا بندھن ہے۔ اگر نابالغ فریق کو زندگی بھر کے لیے ایک ایسے معاہدے میں جکڑ دیا جائے جس میں نہ تو اُس کی رضا مندی شامل ہو اور نہ ہی اُسے معاہدے کی شرائط کا علم ہو تو اس کی قانونی حیثیت کیا ہوگی؟ مولانا مودودی کی بیان کردہ تفسیر کے الفاظ پر غور فرمائیے ''عورت اس مضبوط پیمانِ وفا کے استحکام پر بھروسہ کر کے ہی اپنے آپ کو ایک مرد کے حوالے کرتی ہے'' دوسری جانب مولانا ایک نابالغ لڑکی کے نکاح کو درست قرار دے رہے ہیں جس کو نہ تو نکاح کی شرائط کا علم ہے اور نہ اُس میں اس کی رضا شامل ہے۔ گویا آپ نے ایک معصوم لڑکی کی بے خبری میں اُسے ایک معاہدے میں جکڑ کر ایک مرد کے حوالے کر دیا جس سے وہ تاحینِ حیات چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی۔ ایک نابالغ بچی سے اس غیر منصفانہ اور بے رحمانہ سلوک کی اجازت دینِ فطرت تو نہیں دے سکتا۔

79۔ جدید طبّی تصوّرِ بلوغت

جدید طبی انکشافات بھی قرآنی تصورِ بلوغت کی مکمل تصدیق کرتے ہیں، جن کے مطابق Adolescence یعنی لڑکپن کا آغاز لڑکیوں کے لیے 8 سال اور لڑکوں کے لیے 9 سال کی عمر میں ہوتا ہے۔ یہ Pre-puberty یا زمانہ قبل از بلوغت کا عرصہ ہے جس میں جنسی خصوصیات کی ابتدائی (Primary) علامتوں مثلاً مُوئے زہار (Pubic Hair) وغیرہ ظاہر ہونے کا آغاز ہوتا ہے۔ 9 سال سے پندرہ سال کی عمر تک ثانوی (Secondary) جنسی علامات ظاہر ہوتی ہیں مثلاً عورتوں میں سینے کا ابھار، ایام کا آغاز اور مردوں میں داڑھی مونچھ وغیرہ۔ 18

سے 21 سال کی عمر مکمل بلوغت (بَلَغَ اَشُدَّہٗ) کی عمر ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے بھی بلوغت کی عمر 18 سال ہی طے کی ہے۔ لہٰذا اس آیت کی روشنی میں نابالغ کا نکاح درست نہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عمل قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ سیّدہ عائشہ صدیقہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت نوسالہ بچی نہیں بلکہ بالغ دوشیزہ تھیں۔

80۔ احادیث کی صحت کو مجروح کرنے والے چار افعال استنتاج، تلفیق، ادراج اور تدلیس

(Personal Inferences, Conjoining the events, Insertions and misquoting narrators names)

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں بعض رواۃ اور محدثین نے قوی اور مستند احادیث کی صحت کو بھی ان چار افعال سے مشکوک بنا دیا یا ان روایات کی اصل صورت برقرار نہیں رہی:

(الف) استنتاج (Inference)، بعض رواۃ نے احادیث کو سننے کے بعد اپنے طور پر جو نتائج اخذ کئے، انہیں کسی وضاحت کے بغیر احادیث کا حصہ بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی حدیث سے مختلف افراد مختلف نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں تین دن کے اندر اندر تعزیت کی تاکید کرنے والی حدیث کا ذکر مناسب رہے گا جس سے بعض لوگ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ تین روز کے بعد تعزیت کے لیے جانا ممنوع ہے، جبکہ حدیث کی روح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ سوگوار افراد سے تعزیت کے معاشرتی فرض کو 3 روز سے زیادہ مؤخر نہ کریں۔ اسی طرح سوگوار کے گھر تین روز تک چولہا جلنے کی ممانعت بھی اہل خانہ کے لیے نہیں بلکہ اس حدیث کا مخاطب مسلمان معاشرہ ہے کہ ہمسائے، عزیز و اقارب اور دوست احباب اِس امر کو یقینی بنائیں کہ غم زدہ خاندان کو کم از کم تین روز تک گھر میں کھانا پکانے کا تردد نہ کرنا پڑے۔ تاہم حدیث کی روح کو نہ سمجھنے والے اشخاص تعزیت والے گھر میں تین روز تک چولہا جلنے پر پابندی لگا دیتے ہیں۔ اصولاً تو ایسے استخراج (Inference) کو

اصل حدیث کا حصہ نہیں بننا چاہیے، تاہم ایسا ہوتا رہا ہے۔ عمر عائشہؓ کے سلسلے میں بھی غلط سماع یا نسیان کی وجہ سے ستہ عشرہ اور تِسعتہ عشرہ کو صرف سِتہ اور تِسعتہ سمجھا گیا اور اس سے جو نتائج اخذ کئے گئے انہیں بھی اصل حدیث کا حصہ بنا دیا گیا۔

(ب) تلفیق (Conjoining of Events)، عملی طور پر یہ بھی تدلیس ہی کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ مقصد کسی حقیقت کو چھپانا ہوتا ہے۔ تلفیق میں مختلف راویوں سے سنے ہوئے یا مختلف اوقات میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو آپس میں ملا کر یوں بیان کیا جاتا ہے کہ زمانی فرق (Time Gap) مٹ جائے اور یوں دکھائی دے گویا یہ ایک ہی واقعے کا تسلسل ہے یا یہ واقعات ایک ہی عرصے کے دوران میں پیش آئے ہیں۔ سیّدہ عائشہؓ کی مکہ سے ہجرت کے بیان کے ساتھ ہی ان کی رخصتی کے واقعے کو منسلک کر دینا تلفیق کی واضح مثال ہے حالانکہ یہ مختلف مواقع پر پیش آنے والے دو مختلف واقعات تھے۔ اِسی طرح صحیح بخاری میں مرقوم روایت نمبر 2 صفحہ 18 (کتاب النکاح) جس میں نکاح اور رخصتی کے واقعات کو یوں بیان کیا گیا ہے جیسے کہ نکاح کے ساتھ ہی رخصتی بھی ہو گئی تھی حالانکہ اِن دونوں واقعات کے درمیان طویل وقفہ تھا۔

(ج) ادراج (Insertion / Annotation)، اگر کسی روایت میں کوئی درمیانی راوی درست سند سے روایت بیان کرتے ہوئے اپنی جانب سے کچھ الفاظ، جملوں یا اپنے تاثرات کا اضافہ کر دے اور یہ وضاحت نہ کرے کہ اُس نے یہ اضافہ اپنی جانب سے کیا ہے تو ایسا عمل ادراج کہلاتا ہے۔ ادراج سے روایت کا مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اور بعد میں یہ اضافے بھی اصل حدیث کا حصہ سمجھے جانے لگتے ہیں۔

(د) تدلیس (Misquoting Narrators Names)، تدلیس کے لُغوی معنی ہیں چھپانا یا دھوکہ دینا۔ حدیث میں کسی راوی کی شناخت کو چھپانے یا راوی کا نام تبدیل

کرنے کے عمل کو تدلیس کہا جاتا ہے۔ تدلیس کی متعدد اقسام ہیں۔ **تدلیسِ قطع** یہ ہے کہ سلسلۂ روایت کے درمیانی راویوں کی نشاندہی کرنا ممکن نہ ہو تو سلسلۂ روایت مزید اُوپر والے راوی سے جوڑ دیا جائے جبکہ در حقیقت سلسلہ منقطع ہو رہا ہو۔

تدلیس ابہام اور تدلیسِ مجہول میں خلا پر کرنے کے لیے کسی غیر معروف راوی کا نام شامل کر لیا جاتا ہے جس کی شناخت ممکن نہ ہو تا کہ بظاہر روایت میں تسلسل دکھائی دے۔ **تدلیس تسویہ** میں کسی درمیانی ضعیف راوی کے نام کا ذکر غائب کر دیا جاتا ہے تا کہ روایت کمزور دکھائی نہ دے۔ **تدلیسِ بالبدل** میں ضعیف احادیث کو قوی بنانے کے لیے اصل راوی کے بجائے مشہور رواۃ سے مروی بیان کیا جاتا ہے۔ **تدلیس بالعطف** میں پہلے کسی ایسے راوی کا نام لیا جاتا ہے جس سے کہ روایت سنی ہو پھر ضمناً کسی دوسرے راوی کا ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے خود روایت نہ سنی ہو لیکن تاثر یہ پیدا ہو گویا دوسرے راوی سے بھی خود انہی الفاظ میں روایت سنی ہے۔ مثلاً میں نے فلاں سے یوں روایت سنی اور فلاں فلاں نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے۔ تدلیس کا عمل ایک بدترین علمی بددیانتی ہے۔ محدثین کے نزدیک تدلیس زنا سے بڑا جرم ہے۔ اِس کے باوجود تدلیس ہوتی رہی ہے۔

81۔ سیّدہ عائشہؓ کی کم عمری سے متعلق روایات میں کثرت سے استنتاج، تلفیق، ادراج اور تدلیس کی گئی

سیّدہ عائشہؓ کی شادی اور کم عمری سے متعلق روایات میں حدیث کی صحت کو مجروح کرنے والے تمام ناپسندیدہ کام کئے گئے۔ جب ایک بار یہ غلط مفروضہ تسلیم کر لیا گیا کہ وہ شادی کے وقت کم عمر تھیں تو اِس مفروضے کی بنا پر رخصتی کے وقت ان کی گڑیاں بھی ساتھ کر دی گئیں۔ پھر مدینے میں ان کی سہیلیاں گڑیاں کھیلنے کے لیے آنے لگیں یہاں تک کہ وہ غزوہ خیبر سنہ 9ھ تک گڑیوں ہی سے کھیلتی رہیں! در حقیقت یہ راویوں کا اپنا استنتاج تھا کہ اتنی چھوٹی سی بچی کے ساتھ گڑیوں اور کھلونے بھی ضرور ہوں گے اور کھیلنے کے لیے سہیلیاں بھی ضرور ہوں گی

لٰہذا وہ وقتاً فوقتاً اپنے استنتاج پر مبنی اضافی جملے روایات میں شامل کرتے چلے گئے۔

اِسی طرح ادراج کے ذریعے چھوٹے چھوٹے بظاہر بے ضرر جملوں کا وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا۔ اِس کا مقصد سیّدہ عائشہؓ کو کھیل کود کی شوقین کم عمر، غیر سنجیدہ بچی ثابت کرنا تھا تاکہ ان کی فہم و فراست، متانت، ذہانت اور احادیث و فرمودات کی اہمیت کو ختم کیا جاسکے اور ان کی قدر و منزلت کو کم کیا جاسکے۔ یہ کام کچھ متعصب راویوں نے نہایت کامیابی سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا جو سیاسی اختلاف کی بنا پر سیّدہ عائشہؓ سے انتہا درجے کا بغض اور کینہ رکھتے تھے، ان میں امام اعمش، عبدالرزاق اور کوفی و بصری راوی پیش پیش ہیں۔ اس کی کچھ مثالیں پیرا 83 میں مذکور ہیں۔

82۔ زیرِ بحث روایت کو اپناتے ہوئے نقدِ حدیث کے تمام اصولوں کو پسِ پشت ڈال دیا گیا

نقدِ حدیث کے قواعد سنہ 180ھ کے لگ بھگ مرتب ہو چکے تھے جب کہ سیّدہ عائشہؓ کی شادی کی روایت 185ھ میں منظرِ عام پر آئی اور 220ھ کے قریب مشہورِ عام ہوئی۔ حیران کن بات ہے کہ اِس روایت کو قبول کرتے وقت نقدِ حدیث کے طے شدہ اصولوں کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ چند نکات قارئین کی معلومات کے لیے درج ذیل ہیں:

ا۔ یہ تمام روایات حدثنی یا اخبرنی کے بجائے عن فلاں عن فلاں سے نقل کی گئی ہیں، جس میں یہ احتمال رہتا ہے کہ روایت اصل راوی سے نہ سنی گئی ہو۔ لٰہذا ان کی صحتِ روایت قوی نہیں ہوتی۔ (عنعنے سے روایت)

ب۔ ابو سلمہ کی روایت میں متکلم اور غائب (First Person and Third Person) دونوں صیغے اِستعمال ہوئے ہیں یعنی ’’سیّدہ عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ نے مجھ سے نکاح کیا اور وہ اُس وقت 6 سال کی تھیں اور اُن سے خلوت کی جب وہ 9 سال کی تھیں۔ (اندازِ روایت میں تبدیلی)

ج۔ یہ روایت امام زہریؒ سے بھی نقل کی جاتی ہے جب کہ امام زہری کا عُروہ سے سماع

ہی ثابت نہیں یعنی سلسلہ روایت منقطع ہے۔ مُسلم کے سوا کسی دیگر محدث نے اسے بطور روایتِ زہری نقل نہیں کیا۔ نیز امام زہریؒ اِس روایت کے منظر عام پر آنے سے 61 سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ ان کا نام صرف روایت کو معتبر بنانے کے لیے شامل کیا گیا ہے (تدلیس قطع و تدلیس بالبدل)۔

د۔ عروہ، ابوسلمہ، اسود اور ابوعبیدہ کا سیّدہ عائشہؓ سے اجتماعی سماع ثابت نہیں۔ ان میں سے دو راوی کوفے کے رہنے والے ہیں اور انکا مدینہ کا سفر بھی ثابت نہیں۔ امام بخاریؒ نے صرف عُروہ کی روایت اختیار کی ہے اور باقی روایات کو بطور مشاہد یا متابع بھی قبول نہیں گیا۔ تاہم دیگر کتبِ احادیث میں ان روایات کی حیثیت متابع (تائیدی) ہے۔ ترمذی نے تزوجِ عائشہؓ کی روایت کو سرے سے قبول ہی نہیں کیا۔

ہ۔ حضرت ابوبکرؓ کے اہلِ خانہ کی مکہ سے ہجرت کی تفصیل ابنِ سعد نے بھی بیان کی ہے جو "فقدمنا المدینہ" یعنی مدینہ میں آمد تک محدود ہے۔ اُس کے بعد کا حصہ یعنی سیّدہ عائشہؓ کی بیماری، بالوں کا جھڑ جانا اور ان کی والدہ کا مُنہ ہاتھ دھلا کر اچانک انہیں یوں رخصت کر دینا کہ ان کے والد حضرت ابوبکرؓ بھی رخصتی کی تقریب میں شامل دکھائی نہیں دیتے، علی بن مسہر، کے تخیّل کی تخلیق ہے کیونکہ رخصتی کا یہ منظر صرف اُسی کی روایت میں پایا جاتا ہے (ادراج و تلفیق)۔

و۔ ابومعاویہ اور اعمش بھی اس روایت کے سلسلہ رواۃ میں شامل ہیں۔ یہ دونوں راوی اپنے رویّوں میں مبالغے کی حد تک متعصب تھے۔ امام ابوحنیفہؒ اعمش کو بستر مرگ پر ملنے کے لیے گئے اور موضوع روایات سے توبہ کرنے کی نصیحت کی۔ اعمش نے ابوحنیفہؒ کو کہا کہ یہودی! تو مجھ سے یہ بات کہتا ہے اور ساتھ ہی ایک موضوع حدیث سنا ڈالی جس پر امام اعظم اُٹھ کر چلے آئے (مسانید امام اعظم صفحہ 284 مطبوعہ حیدر آباد)۔

ز۔ عبدالرزاق نے سیّدہ عائشہؓ سے متعلق احادیث میں جی بھر کر ادراج کیا ہے۔ ان کے

کم سن ہونے، گڑیوں سے کھیلنے اور کھیل کود کی شوقین ہونے کا اپنی جانب سے جا بجا اضافہ کیا ہے۔ کہیں کہیں توہین آمیز جملے شامل کئے ہیں اور انہیں سیّدہ عائشہؓ ہی سے منسوب کر دیا ہے (تہذیب التہذیب جلد 4 صفحہ 223) (اِستنتاج وادراج)۔

ح۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے جب حضرت عُمرؓ سے ترکے کا مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا آپ لوگوں نے یہ حدیث نہیں سنی کہ نبیوںؑ کا کوئی ترکہ نہیں ہوتا۔ عبدالرزاق نے یہ واقعہ سنا تو حضرت عمرؓ کے متعلق کہا "اِس پرلے درجے کے احمق کو دیکھو" (تہذیب التہذیب جلد 4)۔ اِس طرح کے متعصب راویوں سے سیّدہ عائشہؓ سے متعلق روایات ویسے ہی قابلِ قبول نہیں ہوسکتیں۔

ط۔ مختلف مقامات اور مختلف اوقات پر پیش آنے والے واقعات کو آپس میں یوں جوڑ دیا گیا ہے کہ زمان ومکان کا فرق مٹ گیا ہے۔ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے گویا کہ یہ واقعات ایک ہی جگہ اور ایک ہی موقع پر پیش آئے تھے، مثلاً سیّدہ عائشہؓ کے قیامِ مکہ کے دوران میں گڑیاں کھیلنے کو مدینہ میں سن 9 ہجری تک پھیلا دیا گیا ہے، یعنی بچپن کے واقعات کا شادی کے سات سال بعد تک وقوع پذیر ہونے کا منظر تخلیق کر لیا گیا ہے (تلفیق)۔

ی۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس روایت کے متعدد راوی، ہشام بن عروہ، عبدالرزاق، علی بن مسہر، ابو معاویہ اور ضریر وغیرہ آخرِ عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور اُنہوں نے تزوجِ عائشہؓ کی روایات بے بصری کی حالت میں زبانی بیان کیں۔ نقدِ حدیث کی رُو سے نابینا راوی سے زبانی روایات قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔

83۔ سیّدہ عائشہؓ کو کم عمر ثابت کر کے لیے ہر طرح کی تضاد بیانی کو روا سمجھا جاتا ہے

ا۔ کہیں تو کم عمری میں شادی کو درست قرار دینے کے لیے دلیل دی جاتی ہے کہ اُمت کی

خواتین کے مسائل سمجھنے کے لیے ایک ایسی خاتون کی ضرورت تھی جس کے ذہن کی تختی بالکل صاف ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مرضی کے مطابق ان کی تربیت کرسکیں۔ دوسری جانب، انہیں بچپن ہی سے عالمہ، فاضلہ، فقیہہ، شاعرہ اور ماہر علم انساب، رجز، وقائع عرب ومحاربات بیان کیا جاتا ہے۔

ب۔ کہیں کم عمری میں بلوغت ثابت کرنے کے لیے بیان کیا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ کی والدہ اُمِ رومانؓ جناب سیّدہ کو بچپن ہی سے شہد اور زیتون کے تیل میں چُوری بنا کر کھلایا کرتی تھیں، لہٰذا سیّدہ عائشہؓ بچپن ہی سے بہت لحیم وشحیم اور فربہ اندام ہونے کے باعث اپنی عمر سے بڑی دکھائی دیتی تھیں۔ کہیں واقعہ افک کے حوالے سے ثابت کیا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ غذا کی کمی کے سبب بہت دُبلی پتلی اور نازک اندام تھیں، لہٰذا جب ان کا محمل اُونٹ پر رکھا گیا تو لوگوں کو اندازہ نہ ہوسکا کہ محمل خالی ہے۔

(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 311)

ج۔ کہیں انہیں بجا طور پر انتہائی ذہین وفطین، عالمہ، عاقلہ، عظیم فقیہہ ثابت کیا جاتا ہے تو دوسری جانب انہیں جہیز میں گڑیاں دیئے جانے کی روایت بیان کی جاتی ہے اور یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ بھر پُور جوانی یعنی غزوۂ تبوک کے وقت تک (جو سنہ 9 ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے دوسال پہلے ہوا) گڑیوں سے ہی کھیلتی رہیں۔

د۔ ایک جانب انہیں غزوات میں کفار کے خلاف مصروف عمل دکھایا جاتا ہے اور صیغہ واحد متکلم (First Person) میں سیّدہ عائشہؓ کی زبانی غزوات کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔ دوسری جانب، ہشام بن عروہ کی روایت کو درست ثابت کرنے کے لیے تاویل کی جاتی ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے دوسرے صحابہ کرامؓ سے سنے ہوئے واقعات بیان کئے ہوں گے۔

ہ۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احد میں پندرہ سال سے کم عمر کے کسی فرد کو حصہ لینے کی اجازت نہیں دی تھی اور سیّدہ عائشہؓ کی جنگ احد میں شرکت تو بھی

تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود سیدہ عائشہؓ کی کم عمری پر اصرار کیا جاتا ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن عمرؓ اور پندرہ سال سے کم عمر کے دیگر بچوں کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہ دی، لیکن اپنے ہی طے کئے ہوئے بلوغت کے معیار کے خلاف کم سن بچی کو جنگ میں جھونک دیا۔

و۔ حضرت عمرؓ کی جانب سے بدری صحابہؓ بشمول سیدہ عائشہؓ کو خصوصی وظیفہ دیے جانے کا اعتراف کیا جاتا ہے، لیکن تاویل یہ کی جاتی ہے کہ سیدہ عائشہؓ کو یہ وظیفہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب بیوی ہونے کی حیثیت سے مِلا تھا نہ کہ جنگ بدر میں شمولیت کے باعث۔

ز۔ امام ولی الدین الخطیب ابن الاثیر، حافظ ابن کثیر، طبری و دیگر مورخین و سیرت نگار تسلیم کرتے ہیں کہ سیّدہ اسماءؓ سیّدہ عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں، جنہوں نے 73ھ میں بعمر ایک سو سال وفات پائی۔ دوسری جانب اپنے ہی بیان کردہ حقائق کے خلاف یہی محققین سیّدہ عائشہؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شوال 2ھ میں رخصتی کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 9 سال تھی۔

ح۔ ان بزرگوں نے اپنی ہی تحریر کے تضادات پر غور نہیں کیا بلکہ جو کچھ راویوں نے بیان کیا، انہوں نے موازنہ کئے بغیر اپنی کتابوں میں محفوظ کر لیا۔ گویا انہوں نے صرف یہ دیکھا کہ راوی معتبر ہے۔ اس پر غور نہیں کیا کہ راوی نے جو کچھ روایت کیا ہے وہ دیگر احادیث، تقویم اور تاریخ کی رُو سے درست بھی ہے یا نہیں۔

ط۔ اگر سنہ 8 نبوت میں شقِ قمر کے موقع پر سیدہ عائشہؓ کی عمر 2 سال تھی تو سنہ 10 نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت 4 سال ہونی چاہیے۔ لیکن روایات کے مطابق بوقتِ نکاح سیّدہ عائشہؓ کی عمر 6/7 سال تھی۔ عُمر کے تعین میں اتنی تضاد بیانی کیوں ہے؟

ی۔ اگر سنہ 10 نبوت میں نکاح کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 6/7 سال مان لی جائے تو تین سال بعد ہجرت کے وقت 9/10 سال اور مزید دو سال بعد رخصتی کے وقت 11/12 سال ہونی چاہیے۔ لیکن راوی رخصتی کے وقت عُمر بہر حال نو سال ہی بیان کرتے ہیں۔

ک۔ فتح الباری کے مصنف حافظ ابن حجر سیّدہ عائشہؓ کی عمر سیّدہ فاطمہؓ سے پانچ سال کم بیان کرتے ہیں۔ سیّدہ فاطمہؓ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں (روایت عباسؓ)۔ اس حساب سے سیّدہ عائشہؓ سیّدہ فاطمہؓ سے 5 سال بعد یعنی عین سالِ نبوت میں پیدا ہوئی ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کے 13 سال مکّہ میں گذارے اور مزید 2 سال بعد 2ھ میں سیّدہ عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔ اس حساب سے عائشہؓ کی عمر بوقت رخصتی (13+2) 15 سال قرار پاتی ہے۔ تاہم ہمارے رواۃ کی بیان کردہ نوسالہ روایت ہر دیگر تحقیق پر غالب رہتی ہے۔

ل۔ عمرِ سیّدہ عائشہؓ کے سلسلے میں صحیح بخاری میں واضح تضاد بیانی پائی جاتی ہے۔ ہشام بن عروہ کی روایت کے مطابق نکاح سنہ 10 نبوت میں بعمر 6 سال ہوا۔ بخاری ہی کی دوسری روایت کے مطابق نکاح سیّدہ خدیجہؓ کی وفات کے تین سال بعد 13ھ میں بعمر 6 سال ہوا۔ کیا سیّدہ عائشہؓ کی عمر سنہ 10 نبوت میں بھی 6 سال تھی اور تین سال بعد سنہ 13 نبوت میں بھی 6 ہی سال رہی؟ واضح رہے کہ سیدہ عائشہؓ کا سنہ پیدائش چاہے 3/4 سال قبل نبوت کا ثابت ہو جائے یا عین سال نبوت، نکاح کا سال چاہے سنہ 10 نبوت ثابت ہو یا سنہ 13 نبوت، اس روایت کے وضع کرنے والے کے لیے "قدرِ مطلق" (Constant Factor) صرف ایک امر ہے کہ نکاح کے وقت سیّدہ عائشہؓ 6 سال کی کمسن بچی تھیں اور یہی ثابت کرنا ان کا مقصد ہے۔

م۔ سیّدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی کسی عورت سے ایسی غیرت (رشک، حسد نہیں کی جیسی خدیجہؓ سے، حالاں کہ وہ میرے نکاح سے 3 سال قبل فوت ہو چکی تھیں" (بخاری حدیث نمبر 938 کتاب الادب جلد 3)۔

بخاری ہی کی دوسری روایت ہے کہ ہجرت سے تین سال پہلے خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم و بیش دو سال توقف کیا۔ پھر ہجرت سے ایک سال پہلے سیّدہ عائشہؓ سے جب ان کی عمر چھ سال تھی نکاح کر لیا۔ پھر نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی

ہوئی۔ (بخاری حدیث نمبر 1078 کتاب الانبیاء ج 2)

سیّدہ خدیجہؓ کی وفات سنہ 10 نبوت ''عام الحزن'' میں ہوئی۔ اِن احادیث کی رُو سے سیّدہ عائشہؓ سے نکاح سیّدہ خدیجہؓ کی وفات کے 2/3 سال بعد یعنی 12 یا 13 نبوت میں ہوا جبکہ سیّدہ کی عمر چھ سال تھی۔ لہٰذا سنہ 10 نبوت میں نکاح کی روایت تو بہر حال غلط ثابت ہو جاتی ہے۔ تاہم 13 نبوت میں بھی سیّدہ عائشہؓ کی عُمر 6 ہی سال بیان کی جاتی ہے!

ن۔ اگر 2 ہجری میں رخصتی کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 9 سال تھی اور نکاح 5 سال قبل، سنہ 10 نبوت میں ہوا تھا تو نکاح کے وقت عائشہؓ کی عمر صرف چار سال طے پاتی ہے۔ تو کیا نکاح چار سالہ بچی سے ہوا تھا؟ دوسری جانب رواۃ کا فرمانا ہے کہ سنہ 10 نبوت میں ان کی عمر 6 سال تھی۔ ان روایات میں اتنا اختلاف اور اضطراب کیوں ہے؟

س۔ حافظ ابنِ کثیر، خطیب قسطلانی، ابنِ سعد، امام سہیلی، ابنِ اسحٰق، ابنِ ہشام، حافظ بلقینی اور حافظ عراقی سیّدہ عائشہؓ کا نام السابقون الاولون کی فہرست میں شامل تسلیم کرتے ہیں۔ اِس کے باوجود اصرار کیا جاتا ہے کہ سیّدہ عائشہؓ پانچ سال بعد نبوت میں پیدا ہوئی تھیں۔ تو کیا عائشہؓ نے اپنی پیدائش سے 5 سال قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا؟

ع۔ صحیح بخاری کے مطابق ''رسول اللہ نے سیّدہ عائشہؓ سے نکاح کیا حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین سال بعد اور حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت 6 سال تھی'' (حدیث نمبر 943، کتاب الادب، جلد 3، صحیح بخاری)۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات سنہ 10 نبوت میں ہوئی تھی۔ اس روایت کے مطابق سیدہ عائشہؓ سے نکاح سنہ 13 نبوت (سالِ ہجرت) میں ہوا۔ اگر سنہ 13 نبوت میں سیّدہ عائشہؓ کی عمر 6 سال تھی تو ظاہر ہے کہ ان کی پیدائش چھ سال قبل (13-6) یعنی سنہ 7 نبوت میں ہوئی ہوگی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر محدثین حضرات کا کہنا ہے کہ سیّدہ عائشہؓ سیّدہ فاطمہؓ سے پانچ سال چھوٹی تھیں۔ دوسری جانب حضرت عباس کے بیان کے مطابق سیّدہ فاطمہؓ پانچ سال

قبل نبوت پیدا ہوئیں۔اس حساب سے سیّدہ عائشہؓ کی پیدائش سیّدہ فاطمہؓ سے پانچ سال بعد یعنی عین سالِ نبوت میں طے پاتی ہے۔لیکن ہمارے راوی سیّدہ عائشہؓ کا سنہ پیدائش 5 نبوت بتاتے ہیں۔اب سیّدہ عائشہؓ کا درست سالِ پیدائش سال نبوّت کو مانا جائے،سنہ 5 نبوّت کو، سنہ 7 نبوّت کو، یا طبری کے مطابق قبل از نبوّت؟

84۔ابتدائی دور کے مُعتبر محدّثین اور ائمہ کرام کی کتابیں اس روایت سے خالی ہیں

ا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات سے لے کر 230 ھ تک اس موضوع پر جو کتابیں تحریر ہوئیں مثلاً مُسند امام ابو حنیفہؒ، سیرت ابن اسحٰق ، جامع معمر، موطا امام مالک، موطا امام محمد، کتاب الآثار للامامین، مسند ابوداوٗد طیالسی، طبقات ابن سعد، سیرت نبویہ لابن ہشام وغیرہ۔یہ تمام کتب اس نادرالوجود روایت سے خالی ہیں حالانکہ یہ روایت اگر اس وقت موجود ہوتی تو محدِّثین، سیرت نگار اور تاریخ دان اس کی جانب ضرور متوجّہ ہوتے۔

ب۔ ہشام بن عُروہ کی پیدائش 61 ھ کی ہے۔وہ اپنے 71 سالہ قیام مدینہ میں لب بستہ رہے اور انہوں نے 145 ھ سے پہلے وفات پا جانے والوں کو اس حدیث سے محروم رکھا۔تاہم اپنی وفات سے ایک سال قُبل عراق پہنچنے پر جب وہ خود بصارت سے محروم اور نسیان میں مبتلا ہو چکے تھے،انہوں نے مبیّنہ طور پر یہ روایت بیان کی۔ان کے مبینہ عراقی شاگردوں نے مزید کمال دکھایا کہ 39 سال تک اس روایت کو پردۂ اخفا میں رکھا اور سنہ 185 ھ میں اسے اُس وقت منظر عام پر لائے جب اس کی تصدیق یا تردید کرنا ممکن نہ رہا تھا۔

85۔کثیر الروایت صحابہ کرامؓ بھی اس روایت سے لاعلم رہے

سنہ 11 ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ کرامؓ کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی جو تمام کے تمام اس روایت سے بے خبر تھے۔نقدِ حدیث کے قواعد وضوابط سنہ 180 ھ کے لگ

بھگ مرتّب ہوئے۔ اُس سے پہلے احادیث کی پرکھ کے قوانین اتنے سخت نہ تھے۔ صرف راوی کا ثقہ اور مُعتبر ہونا ہی کافی تھا۔ اس کے باوجود سنہ 180 ھ تک یہ روایت کسی بھی حوالے سے بیان نہیں ہوئی۔ مندرجہ ذیل صحابہ کرام اور اُن کے تلامذہ جن سے کثیر تعداد میں احادیث روایت ہوئی ہیں، زیرِ بحث روایت سے لاعلم ہیں: (1) ابو ہریرہ ؓ۔ (2) سیّدہ عائشہ ؓ کے 800 کے قریب تلامذہ؛ (3) ابن عباس ؓ (4) جابر ؓ (5) ابو سعید خدری ؓ (6) عبد اللہ بن عُمر ؓ (7) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مُطہرات (8) خانہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام و موالی (زید بن حارثہ، اسامہ ؓ، اُمِ ایمن ؓ، بریرہ ؓ وغیرہ) (9) اَنس ؓ، 10 سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے؛ سو سال عمر پائی، (11) صحابہ کرام ؓ اور اُن کے دس ہزار سے زائد شاگرد (12) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر عمل پر معترض ہونے والے مدینہ منورہ کے منافقین (13) ابو بکر ؓ، عروہ، ہشام کی دادی سیّدہ اسماء ؓ اور دیگر افرادِ خانہ (41) سیّدہ عائشہ کے پروردہ عبد اللہ بن زبیر ؓ جن کے حوالے سے سیّدہ عائشہ ؓ اُمِ عبد اللہ کہلاتی تھیں۔ (بحوالہ کشف الغمہ صفحات 245 تا 339)۔

عمرِ عائشہ ؓ کی روایت پہلی بار 185 ھ میں علی بن مسہر کے ذریعے تحریری صورت میں منظر عام پر آئی

86۔ ان اعجوبہ احادیث کا راوی علی بن مسہر الکوفی ہے

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سیّدہ عائشہ ؓ سے متعلق تمام اعجوبہ احادیث کے راوی خود ہشام بن عروہ نہیں بلکہ اُن کا مبیّنہ شاگرد علی بن مسہر ہے، جس نے ہشام کی وفات کے 39 سال بعد 185 ھ میں اپنے استاد کے حوالے سے یہ روایت بیان کی۔ 185 ھ تک مدینہ یا دیارِ اسلام میں ایک محدّث نے بھی یہ روایت سنی نہ بیان کی۔

ابن ماجہ نے سوید سے یہ روایت اپنی کتاب میں 250 ھ کے بعد شامل کی۔ سب سے پہلے دارمی نے پھر امام بخاریؒ نے اسے اپنی اپنی سنین میں شامل کیا۔ گویا یہ روایت 240 ھ سے 250 ھ کے درمیان مشتہر ہوئی، اور اس سے پہلے کے محدّثین اور عامۃ المسلمین اس روایت سے

لاعلم تھے (کشف الغمہ صفحات 144 تا 146)۔

87۔ جب 185ھ تک یہ روایت موجود ہی نہیں تھی تو اس سے قبل کے عرصے کی اسناد کہاں سے آگئیں؟

مبیّنہ طور پر یہ روایت پہلی بار سنہ 145ھ میں ہشام بن عروہ نے بیان کی۔ جب یہ روایت منظر عام پر آگئی تو تدلیس کرنے والوں نے دو سو سال کے خلا کو مختلف اسناد کے ذریعے پُر کر کے مزید راوی بھی متعارف کرا دیئے جب کہ حقیقتاً اس روایت کے اولین اور واحد راوی ہشام بن عروہ ہی تھے۔ امام بخاری نے یہ روایت فروہ سے 215ھ کے لگ بھگ سنی ہوگی، کیونکہ ان کا پہلا سفر کوفہ 212ھ کا ہے۔ اسی طرح دارمی نے اسمٰعیل بن خلیل سے یہ روایت تقریباً اسی عرصے میں سنی ہوگی، کیونکہ اِس سے پہلے مذکورہ روایت کی تشہیر نہیں ہوئی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہشام کے علاوہ مزید راوی بھی تھے تو وہ دو سو سال تک خاموش کیوں بیٹھے رہے اور یہ روایت 185ھ سے پہلے ان کے ذاتی حوالے سے منظر عام پر کیوں نہ آئی؟

88۔ اس روایت کے تمام اوّلین راوی کوفی اور بصری ہیں

ہشام بن عُروہ 131ھ تک قیام مدینہ کے دوران عراقی حدیثوں کو ناقابل اعتبار ٹھہراتے رہے لیکن ان کے عراق پہنچتے ہی اس روایت کے نو راوی کوفہ سے اور چار بصرہ سے دستیاب ہوگئے۔ (کشف الغمہ صفحات 191-193)۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہشام کے نسیان سے فائدہ اٹھا کر عراقیوں نے خود ہی یہ روایت وضع کی اور ہشام بن عروہ سے منسوب کر کے ہشام کی وفات کے 39 سال بعد عالم اسلام میں پھیلا دی جو صحاح میں جگہ پا کر معتبر ٹھہری۔ اس طرح ہشام کی مدنی زندگی میں صحت روایات کے حوالے سے شہرت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر کچھ عاقبت نااندیش اور کوتاہ بین اشخاص اُس کے نام سے ایسی احادیث منظر عام پر لے آئے جو آج پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تضحیک کا باعث بن رہی ہیں۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت کم کرنے کی کوشش میں انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ان کی یہ مذموم حرکت مستقبل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے دامن کو آلودہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔

89۔ مبیّنہ روایت ہر محقق کی غیر جانبدارانہ علمی تحقیق سے متصادم ہے

ا۔ امام ولی الدین خطیب ''اکمال اسماء الرجال'' میں بالکل درست تحریر فرماتے ہیں کہ سیّدہ اسماءؓ، سیّدہ عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں (مشکوٰۃ جلد سوم صفحہ نمبر 303)۔ ابن الاثیر نے بھی اسد الغابہ میں سیّدہ اسماءؓ کی ہجرت کے وقت درست عمر 27 سال بیان کی ہے (اسد الغابہ جلد 7 صفحہ 189)۔ ان دو تحریروں کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہجرت کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر اسماءؓ سے دس سال کم یعنی 17 سال تھی۔ تاہم جب سیّدہ عائشہؓ کی شادی کا ذکر آتا ہے تو یہ دونوں بزرگ ہشام بن عُروہ کی روایت کے اسیر بن جاتے ہیں اور اپنی ہی تحریر کے خلاف شادی کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 9 سال بیان کرتے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبیست؟

ب۔ حافظ ابنِ کثیر بھی سیّدہ اسماءؓ کو سیدہ عائشہؓ سے دس سال بڑی بیان کرتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ اسماءؓ کی وفات سن 73ھ میں بعمر سو سال ہوئی (البدایہ والنھایہ جلد 8 صفحہ 346)۔ ظاہر ہے کہ 73 سال قبل سالِ ہجری میں اسماءؓ کی عمر (100-73) 27 سال تھی۔ چونکہ سیّدہ عائشہؓ ان سے دس سال چھوٹی تھیں لہٰذا سالِ ہجرت میں ان کی عمر 17 سال تھی۔ حافظ ابنِ کثیر یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''سیّدہ اسماءؓ بعمر سو سال سنہ 73ھ میں فوت ہوئیں۔ وہ اپنی چھوٹی بہن سیّدہ عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ وھی اکبر من اختھا عائشہ بعشر سنین (البدایہ جلد 8 صفحہ 346)۔ تاہم جب سیّدہ عائشہؓ کی شادی کا ذکر آتا ہے تو ہشام بن عروہ کی روایت کی پیروی کرتے ہوئے سیّدہ عائشہؓ کی عمر 9 سال ہی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر 9 سال والی روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو سیّدہ عائشہؓ اور اسماءؓ کی عمر کا فرق 10 کے بجائے 20 سال ہونا چاہیے تھا۔

ج۔ مشہور مورخ طبری بھی ایک طرف تو تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ 616 پر تحریر کرتے ہیں

کہ ابوبکرؓ کے دو بیویوں سے ان چاروں بچوں (اسماءؓ، عبدالرحمٰنؓ، عائشہؓ اور عبداللہؓ) کی پیدائش زمانہ جاہلیت میں ہوئی۔ دوسری جانب اپنی ہی تحقیق کے خلاف تحریر کرتے ہیں کہ نکاح کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 6 سال اور رخصتی کے وقت 9 سال تھی۔ (تاریخ طبری جلد دوم مطبوعہ دارالاشاعت کراچی صفحہ 616)۔

د۔ اسی طرح مغلطائی، ابن اسحٰق اور ابنِ ہشام کی مرتب کردہ ''السابقون الاولون'' کی فہرستوں ہی کے منکر ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سیّدہ عائشہؓ کا نام اس فہرست میں کیسے شامل ہوسکتا ہے وہ تو اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ انہوں نے محض ہشام بن عروہ کی نو سال والی روایت کو درست مانتے ہوئے سیّدہ عائشہؓ کی السابقون الاولون میں شمولیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جب کہ تمام سیرت نگاروں اور مؤرخین کا اس فہرست پر اتفاق رہا ہے۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام محققین کی غیر جانبدارانہ علمی تحقیق ہشام بن عُروہ کی بیان کردہ روایت کے آگے دم توڑ دیتی ہے اور وہ اپنی ہی تحقیق کے خلاف سیّدہ عائشہؓ کی عمر بوقت رخصتی کو 9 سال تسلیم کر لیتے ہیں۔

90۔ سیّدہ عائشہؓ کی بلوغت اور عدمِ بلوغت کے سلسلے میں ذہنی خلفشار

ملاحظہ ہو کہ ایک طرف تو پُورا زورِ قلم یہ ثابت کرنے پر لگایا جا رہا ہے کہ گرم آب و ہوا کی وجہ سے سیّدہ عائشہؓ نو برس کی عمر میں بالغ ہو چکی تھیں۔ دوسری جانب سُورہ طلاق کی آیت نمبر 4 کی رُو سے نابالغ لڑکی سے نکاح کو جائز قرار دیا جا رہا ہے تاکہ نابالغ لڑکی سے نکاح کی بنا پر اعتراض نہ ہو سکے۔ سمجھ نہیں آتی کہ ان لوگوں کا حتمی مؤقف کیا ہے؟

عمر کم بیان کرنے کے پس پردہ مقاصد

91۔ سیّدہ عائشہؓ کی کم عمری میں شادی کی روایت کا مقصد اُمّ المومنین کی قدر و منزلت کم کرنا ہے

ا۔ معروف مؤرخ ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی قبولِ اسلام کے وقت حضرت علیؓ کی عمر کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''ایک فرقے کا کہنا ہے کہ علیؓ کی عمر پندرہ سال تھی۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ تیرہ سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گیارہ سال کے تھے، نو سال کے تھے، آٹھ سال کے تھے، سات سال کے تھے، چھ سال کے تھے، پانچ سال کے تھے۔ یہ آخری قول ان لوگوں کا ہے جو آپ کے فضائل کو مٹانا اور مناقب کو میٹنا چاہتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ آپ کے اسلام کو ایک چھوٹے لڑکے اور نادان بچے کا اسلام بنا دیں جو نہ تو زیادتی و کمی کے درمیان فرق کر سکے، نہ شک و یقین کے مابین امتیاز رکھتا ہو۔ نہ حق کو سمجھتا ہو کہ اُسے طلب کر سکے اور نہ باطل کو جانتا ہو کہ اُس سے بچ سکے''۔ لیکن یہی مسعودی جب سیّدہ عائشہؓ کی عمر بیان کرتا ہے تو بلا تامّل یوں رقمطراز ہوتا ہے:۔

''آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ میں ان کے ساتھ نکاح کیا تھا جب کہ ان کی عمر سات برس کی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے اُس سے بھی کم عمر تھی یعنی چھ برس کی تھیں''۔

مسعودی کی وضاحت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاندین نے سیّدہ عائشہؓ کی عمر کو اس لئے گھٹا کر پیش کیا کہ وہ اُمّ المومنینؓ کے فضائل کو مٹانا اور قدر و منزلت کو کم کرنا چاہتے تھے۔ (''بحوالہ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا عقد'' از شمس الدین احمد حنفی)۔

ب۔ واضح رہے کہ گرم ملک میں لڑکیوں کی قبل از بلوغت کی دلیل بھی مسعودی کے ذہن کی اختراع ہے۔ تاہم انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ پُوری سرزمین عرب میں صرف

سیّدہ عائشہ ؓ پر ہی اس گرم آب وہوا کا اثر کیوں ہوا؟

92۔ صرف سیّدہ عائشہ ؓ ہی کی عمر کو متنازع کیوں بنایا گیا؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مُطہرات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی اور زوجہ کی عمر پر بحث نہیں کی گئی۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ خصوصاً سیّدہ عائشہ ؓ ہی کی عمر کو کیوں زیر بحث لایا گیا ہے اور ایسے عاقبت نااندیش دروغ گو لوگوں کے پیشِ نظر کیا مذموم عزائم تھے؟ یقیناً یہ روایت سیّدہ عائشہ ؓ کی قدر ومنزلت کم کرنے کے لیے گھڑی گئی تھی۔

93۔ یہ توہین آمیز طنزیہ جملے کس نے کس مقصد کے لئے شامل کیے؟

ا۔ احادیث کی معتبر کتب صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی، مسند احمد، مشکل الآثار میں متعدد روایات موجود ہیں کہ سنہ 7ھ میں بنوارفدہ کے حبشی مسجد کے صحن میں حربی فنون کا مظاہرہ کر رہے تھے تو عائشہ ؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ان کے فن کا مظاہرہ دیکھا۔ امام زہری ؒ اور اوپر والے طبقے کے راویوں کی روایات میں عائشہ ؓ کی کم سنی یا کھلنڈرے پن کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ سنہ 7ھ میں عائشہ ؓ کی عمر روایتِ ہشام کے مطابق بھی سولہ سال سے زائد تھی۔ تاہم یہی روایت جب بعد میں آنے والے راویوں کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے تو آخر میں ایک ہتک آمیز جملے کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ”فَاقْدُرُوْ اقْدَرَ الْجَارِیَةِ الْحِدِیْثَةِ السِّنِّ تَسْمَعُ اللَّھْوِ“۔ کھیل کود کی دلدادہ نوعمر کم سن لڑکی کے رنگ ڈھنگ تو دیکھو!“

(بخاری کتاب النکاح حدیث 5190 بروایت اسحاق بن ابراہیم منظلی)

ب۔ مسند احمد میں کچھ اور اضافہ کیا جاتا ہے، ”وانا جاریة فاقدرو اقدر الجاریة الحدیثة السن“۔ ”اور میں لڑکی بالی ہی تھی۔ کم عمر لڑکی کا ناز و انداز تو دیکھو“۔ یہی روایت بروایت عبداللہ بن محمد بیان کی جاتی ہے تو آخر میں اس جملے کا اضافہ ہو جاتا

ہے۔ ''فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِیَۃِ الْحَدِیْثَۃِ السِّنِّ الْحَرِیْصَۃِ عَلَی اللَّھْوِ''۔ ''کھیل کود کی شوقین نوعمر کم سن لڑکی کے طور طریقے تو دیکھو'' (بخاری جلد 3 کتاب النکاح صفحہ 137، روایت 220)۔ یہی جملے مسلم، نسائی، مسند احمد میں بھی مختلف راویوں کی جانب سے عائشہؓ سے منسوب کرتے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ طنزیہ جملے سیدہ عائشہؓ نے خود اپنے متعلق کہے تھے؟

ج۔ صاحب کشف الغمۃ کی تحقیق کے مطابق یہ جملے عبدالرزاق کے ادراج کا نتیجہ ہیں جو انہوں نے آبائی مسلک ترک کرنے کے بعد کثرت سے کیا۔ ان کا مقصد عائشہؓ کی قدر و منزلت کم کرنا اور اُنہیں فہم و ادراک سے عاری کم سن کھلنڈری لڑکی ثابت کرنا ہے جسے کھیل کود اور تماشے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا (کشف الغمہ صفحات 359-448)۔ ان احادیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ نہ تو سیدہ عائشہؓ نے اپنے متعلق یہ ہتک آمیز جملے کہے تھے اور نہ ہی اوپر کے طبقے کے راویوں کی بیان کردہ روایت میں یہ جملے شامل ہیں۔ یہ جملے بعد میں ایک مذموم مقصد کے لئے جعلسازی سے شامل کئے گئے۔ سنہ 185ھ میں کوفہ سے منظر عام پر آنے والی سیدہ عائشہؓ کی کم سنی میں شادی کی روایت کو بھی اسی تناظر میں دیکھیں تو اغراض و مقاصد واضح ہو جاتے ہیں۔

94۔ دنیا کے کسی مذہب یا تہذیب میں نابالغ بچی سے شادی اور مباشرت جائز نہیں تو دینِ فطرت میں کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی الہامی یا غیر الہامی مذہب یا تہذیب نے کم سن بچی سے شادی اور مباشرت کو قانوناً درست قرار نہیں دیا تو دینِ اکمل کا سرچشمہ قرآن اُسے کس طرح جائز قرار دے سکتا ہے؟ مغربی ممالک اور امریکہ میں کوئی مجرم قتل کر کے تو شاید بچ نکلے لیکن کمسن بچی سے مباشرت کے جرم میں اُسے تمام عمر جیل میں گذارنی پڑتی ہے۔ طبّی اصطلاح میں اس جرم کو

Paedophilia کہتے ہیں جو کہ ایک جنسی اور نفسیاتی عارضہ ہے۔ اس عارضے میں مبتلا شخص نابالغ بچوں کو ہوس کا نشانہ بنا کر تسکین حاصل کرتا ہے لہٰذا اس جرم کی انتہائی کڑی سزا مقرر ہے۔

95۔ کیا غریب بچیوں کو کھپانے کے لیے بناء صغیرہ ناگزیر ہے؟

ہمارے ایک ناقد نے تبصرہ فرمایا ہے کہ ''بناء صغیرہ (کم سنی میں شادی اور جنسی تعلقات) کو ناجائز قرار دینے والوں کو ان بچیوں کا کوئی خیال نہیں جو غربت میں جنم لیتی ہیں اور اگر کسی امیر کا گھر نہ ملے تو غربت میں زندگی گذار کر مٹی میں دفن ہو جاتی ہیں۔ ان کے خیال میں بناء صغیرہ کی گنجائش اس لئے ضروری ہے تا کہ کم سن غریب بچیوں کو بھی کھپایا جا سکے۔ موصوف نے یہ وضاحت نہیں کی کہ شادی کے لیے غریب بچیوں کا نابالغ ہونا ہی کیوں اہم ہے؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ ایسی نابالغ بچیاں عیاش فطرت لوگوں کے عشرت کدوں میں اُن کی ہوس کا شکار بن کر اکثر و بیشتر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں یا عمر بھر کے لیے جسمانی اور نفسیاتی عوارض میں مبتلا ہو جاتی ہیں؟ غربت کا بلوغت یا عدم بلوغت سے کوئی تعلق نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ وضاحت کر دیتے کہ غریبوں کی بچیاں حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

96۔ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنت پر عمل پیرا کیوں نہ ہوئے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی شادیوں اور اولادوں کا کافی ریکارڈ احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کیونکہ ان ہی میں سے بیشتر افراد مشہور صحابی، تابعین اور تبع تابعین ہوئے۔ اگر سیّدہ عائشہؓ کی شادی کم سنی میں ہوئی ہوتی تو دیگر صحابہ کرامؓ بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی سنت پر عمل کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، ضرور بالضّرور کم سن بچیوں سے شادی کرتے اور اپنی بچیوں کے نکاح بھی کم سنی میں کر دیتے۔ لیکن احادیث اور تاریخ میں کسی نابالغ بچی کی شادی کا ذکر تک نہیں ملتا۔ اگر ہم اپنی 8/9 سالہ بچیوں کی شادی اور رخصتی کو اس صورت حال میں رکھ کر غور کریں تو تب ہی ہمیں مسئلے کی سنگینی کا درست ادراک ہو سکے گا۔

97۔امام شافعیؒ کا مؤقف

امام شافعیؒ استثنائی صورت میں نکاحِ صغیرہ کے قائل ہیں لیکن نابالغ لڑکی سے جنسی مقاربت کو کسی طور پر درست نہیں سمجھتے۔ ان کا کہنا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ باپ اور دادا بچی کا نکاح نہ کریں حتیٰ کہ وہ بالغہ ہو جائے اور پھر اس کی اجازت بھی لیں اور اس کو اُس کی مرضی کے بغیر خاوند کی قید میں نہ ڈالیں (ابن عربی شرح ترمذی کتاب النکاح ص 364)۔امام شافعیؒ نکاحِ صغیرہ کو درست قرار دینے کے لیے پوری تاریخ اِسلام میں سے اُمّ کلثومؓ بنت علیؓ کی حضرت عمرؓ سے نکاح کی مثال پیش کرتے ہیں، لیکن اس میں بھی وہ نکاح کے وقت اُمّ کلثومؓ کی درست عمر کا تعین نہ کر سکے۔معروف سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کا مؤقف بھی یہی ہے کہ نکاح صغیرہ میں کوئی حرج نہیں البتہ بناء صغیرہ (جنسی قربت) سے بحث نہیں۔یعنی نابالغ لڑکی سے جنسی مقاربت خارج از بحث ہے (خطبات بہاولپور صفحہ 24)۔

ہمارے محققین کی تحقیق کی خامیاں

98۔سیّدہ عائشہؓ کی سہیلیاں

متعدد روایات میں سیّدہ عائشہؓ کی سہیلیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مدینہ میں شادی کے بعد تک ان سے گڑیاں کھیلنے آیا کرتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر چھپ جاتی تھیں۔ایسی روایات درحقیقت قیام مکّہ کے اُس دور سے متعلق ہیں جب سیّدہ عائشہؓ حقیقتاً کم سن تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح و شام ابوبکرؓ کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ہمارے راویوں نے تلفیق کے عمل سے دو مختلف ادوار کے واقعات کو ملا کر سیّدہ عائشہؓ کی کم عمری کے متعلق رنگ آمیزی کی ہے۔امام زہریؒ نے انتہائی کوشش کی کہ مدینہ کی بستی سے سیّدہ عائشہؓ کی کسی ایک سہیلی کا پتا مل جائے لیکن وہ ناکام رہے۔ایسی سہیلیاں ہوتیں تو اُنہوں نے ضرور فخریہ انداز میں اپنے بچوں کو بتایا ہوتا کہ وہ سیدہ عائشہؓ کی ہم جولیاں رہی ہیں۔لیکن نہ تو کسی ایسی عمر رسیدہ عورت کا سُراغ ملا اور نہ ہی مدینہ کی بستی میں کسی بھی عورت نے اپنی دادی/نانی سے اس واقعہ کی تصدیق کی۔اگر ایسی کسی سہیلی کا وجود

ہوتا تو وہ تاریخ کا حصہ بن جاتی اور ہمیں ایسے واقعات کی خبر دے سکتی جن کا بیان کسی اور کے لیے ممکن نہ تھا۔

99۔ وفاتِ سیّدہ عائشہؓ کا سال

ا۔ سید سلیمان ندویؒ بھی ہشام بن عُروہ کی روایت کو درست تسلیم کرنے والوں میں شامل ہیں۔ تاہم جب تاریخی حوالوں سے بات کی جائے تو حقیقت سامنے آ کر ہی رہتی ہے۔ عمر عائشہؓ کے متعلق اپنی کتاب ''سیرتِ عائشہؓ'' میں فرماتے ہیں:- ''سیّدہ عائشہؓ اب بیوہ تھیں اور اِسی عالم میں انہوں نے عمر کے چالیس مرحلے طے کئے۔ جب تک زندہ رہیں اسی مزارِ اقدس کی مجاور رہیں'' (سیرتِ عائشہؓ، صفحہ 107)۔ مزید فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ کی خلافت کے آخری حصے میں بعمر 67 سال 58ھ میں وفات پائی'' (سیرتِ عائشہؓ صفحہ 150)۔ اگر وہ 67 سال میں سے بیوگی کے 40 سال منہا کر لیتے تو وہ خود بھی اسی نتیجے پر پہنچتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت عمرِ عائشہؓ 27 سال تھی۔ اس میں سے مزید 9 سال منہا کرتے تو رخصتی کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی درست عمر 18 سال تک پہنچ جاتے اور 9 سال والی روایت کو مسترد کر دیتے۔ بد قسمتی سے جمع تفریق کے عمل کو نہ تو ہم نے کبھی اہمیت دی ہے اور نہ ہی درست نتائج اخذ کرنے میں اس سے مدد لی ہے۔

ب۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ سیّدہ عائشہؓ کی وفات سترہ رمضان 58ھ میں ہوئی۔ وہ اس وقت 66 سال کی تھیں (طبقات ابن سعد مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی جلد 8 صفحہ 105)۔ اگر سیّدہ عائشہؓ کی عُمر بوقتِ وفات 58ھ میں 66 سال ہوتی تو 45 سال قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر 21/22 سال ہی طے پاتی۔ تاہم سیّدہ عائشہؓ کی عمر بوقتِ وفات 66 سال نہیں بلکہ 74 سال تھی۔ اگر 74 میں سے بیوگی کے 47 سال منہا کئے جائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت سیّدہ عائشہؓ کی عمر 27 سال اور نو سال قبل رخصتی کے وقت 18/19 سال بنتی ہے۔

ج۔ یہ امر بھی مؤرخین کی دلچسپی کا باعث ہونا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سنہ 11 ھ میں ہوئی۔ اگر سیّدہ عائشہؓ کی بیوگی کا عرصہ 40 سال تھا تو ان کا سالِ وفات (11 ھ + 40) 51 ھ ہونا چاہیے۔ چونکہ سال وفات سنہ 58 ھ پر مکمل اتفاق ہے لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ سیّدہ عائشہؓ کی بیوگی کا عرصہ چالیس سال نہیں بلکہ (58 ھ - 11 ھ) 47 سال تھا اور عمر بوقتِ وفات (27+47) 74 سال تھی۔

کیا سیّدہ عائشہ صدیقہؓ نے یہ سب علوم نو سال کی عمر میں سیکھ لیے تھے؟

100۔ سیّدہ عائشہؓ بالغہ، عاقلہ اور فصیحہ عالمہ تھیں

سیّدہ عائشہؓ ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں جو مکّہ کے سترہ پڑھے لکھے لوگوں میں شامل تھے اور ''اعلم النّاس'' کہلاتے تھے۔ سیّدہ عائشہؓ مستند فقیہہ، عالمہ، فصیحہ اور فاضلہ تھیں۔ انہیں زمانۂ جاہلیت کی جنگوں اور اُن کے اشعار (رجز) میں مہارت حاصل تھی (ولی الدین الخطیب، مصنّف مشکوٰۃ)۔ عُروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے قُرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شعر و شاعری، طب، تاریخ عرب اور علم الانساب میں سیّدہ عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا (البدایہ والنھایہ)۔ آپؓ علم حدیث میں ماہر تھیں اور حدیث کے راوی کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی کی نشاندہی کر دیتی تھیں۔ متعدد مواقع پر آپؓ نے جلیل القدر صحابہؓ بشمول حضرت عمرؓ کو بھی ٹوک دیا۔ سیّدہ عائشہؓ سب سے بڑی فقیہہ، سب سے بڑی عالمہ اور سب سے اُونچی فکر رکھنے والی تھیں (عطاء بن ابی رباح البدایہ والنھایہ)۔ سیّدہ عائشہؓ نے یہ تمام علوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی سے قبل اپنے والد سے حاصل کئے تھے۔

101۔ سیّدہ عائشہؓ میں شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق شادی سے پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا

ا۔ سیّدہ عائشہؓ میں شعر و ادب کا ذوق کنوار پنے ہی میں پیدا ہو چکا تھا۔ ان کی مدنی زندگی تو غزوات اور جنگ و جدل کی وجہ سے بالکل مختلف انداز میں گزری۔ ظاہر ہے کہ یہ ادبی ذوق، رجز اور علم الانساب میں مہارت اور شعر و شاعری کا شوق آپؓ میں شادی سے پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا۔ عرب شعراء کا بہترین کلام انھیں یاد تھا، جو موقع و محل کے لحاظ

سے فوراََ زبان پر آجاتا۔

ب۔ انھوں نے اپنے بھائی عبدالرحمن ؓ کی وفات پر بہترین مرثیہ لکھ کر ادبی مہارت کا ثبوت دیا۔ کوئی بھی واقعہ پیش آتا، اُمّ المومنین ؓ موقع کی مناسبت سے فوراََ شعر پڑھ دیتیں (ابوالزناد)۔ ان تمام علوم کے سیکھنے کے لیے عمر کا ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے تا کہ کوئی ادبِ عالیہ کو سمجھ سکے اور یاد رکھ سکے۔ جنگ و جدل سے بھرپور مدنی زندگی میں نہ تو فرصت میسّر تھی اور نہ ہی دنیاوی علوم سیکھنے کا موقع دستیاب تھا۔ لٰہذا وہ یہ علوم شادی سے پہلے ہی حاصل کر چکی تھیں جو کہ نو سالہ بچی کے لئے ممکن نہیں ہوسکتا۔

102۔ سیّدہ عائشہ ؓ کی علمیت کے متعلق مستشرقین کی رائے

''وہ اپنے ہم عصروں میں ایک مقتدر اور اعلیٰ مقام پر فائز تھیں۔ حتیٰ کہ عقیدہ کی پختگی اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے ادراک میں ان سے رجوع کیا جاتا تھا (ہربی لوٹ کی کتاب ''ہربی لوٹ بائیبل اور رینٹ''، باب سیّدہ عائشہ ؓ صفحہ 33)۔ ''مسلمانوں کی کتبِ احادیث میں اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ ؓ سے روایت کی گئی احادیث، معتبر ترین اور کثیر التّعداد ہیں (کیمبرج میڈی ایول ہسٹری، پروفیسر بیون)۔ ان حقائق کی بنا پر یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اُمّ المومنین ؓ نکاح سے قبل ہی عاقلہ اور بالغہ تھیں اور انھوں نے یہ تمام فنون اپنے والد سے حاصل کیے تھے۔ آپ ؓ رخصتی کے وقت پختہ عمر کی بالغ دوشیزہ اور غیر معمولی قوّتِ حافظہ اور فہم و ادراک کی مالک تھیں۔ یہ تمام صفات ایک نو سالہ بچی میں نہیں ہوسکتیں کیونکہ اگر وہ جسمانی طور پر بالغ ہو بھی جائے تو اُس کی ذہنی پختگی نوعمری کے تجربات تک ہی محدود ہوتی ہے۔

مذکورہ روایات کے راویوں کا مختصر جائزہ

103۔ عمرِ سیّدہ عائشہ ؓ کی روایت کے تمام راوی مدنی نہیں بلکہ عراقی ہیں

عمرِ سیّدہ عائشہ ؓ کے متعلق اہلِ مدینہ اور مکّہ سے زیادہ معتبر راوی کون ہوسکتا تھا لیکن ہشام سے متذکرہ روایت کرنے والے راویوں میں سے نو کوفی اور چار بصری تھے جن میں سے علی بن مسہر

سرِ فہرست ہے۔ دیگر مبینہ راویوں کے متعلق حقائق بھی قارئین کے لیے چشم کشا ثابت ہوں گے۔

صحیح بخاری میں سیّدہ عائشہؓ کی کم عمری میں شادی کی تمام روایات کی ابتدا ہشام بن عروہ کے کوفی شاگردوں سے ہوتی ہے اور تان ہشام بن عروہ پر ٹوٹتی ہے جو اپنے والد کے توسط سے روایت کو سیدہ عائشہؓ تک پہنچاتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے دیگر ماخذوں کو بطور متابعات (تائیدی روایات) بھی قبول نہیں کیا۔ وجہ ظاہر ہے یعنی ہشام سیّدہ عائشہؓ کی بہن اسماءؓ کے پوتے ہونے کے باعث مُعتبر آدمی تھے اور ان کی شروع کی شہرت ایک ثقہ راوی کی تھی۔ ہشام بن عروہ پر علاحِدہ سے تفصیلی بحث کی جائے گی۔ دیگر کتب احادیث کے مندرجہ ذیل راوی بھی ہیں:

ا۔ صحیح بخاری، ابوداؤد، کتاب الام اور بیہقی کے راوی: ان سب کے واحد راوی ہشام بن عروہ ہیں۔

ب۔ صحیح مسلم کے راوی: ہشام بن عُروہ کے علاوہ مسلم کے دیگر راوی امام زہری اور اسود ہیں۔

ج۔ ابن ماجہ کے راوی: ہشام کے علاوہ ابن ماجہ کے دوسرے راوی ابوعبیدہ ہیں۔

د۔ نسائی کے راوی: ہشام کے علاوہ نسائی کے دیگر راوی ابوعبیدہ، اسود اور ابوسلمہ ہیں۔

ہ۔ مسند کے راوی: ہشام کے علاوہ مسند کے مزید دو راوی اسود اور ابوسلمہ ہیں۔

و۔ ترمذی: نہ کوئی روایت ہے نہ کوئی راوی۔

اس طرح ہشام بن عروہ کے علاوہ مزید مبیّنہ راویوں کے نام یہ ہیں (1) امام زہریؒ، (2) اسود، (3) ابوعبیدہ، (4) ابوسلمہ۔ یہ تمام راوی معمولی ردوبدل کے ساتھ تین جملے کہہ رہے ہیں:

(الف) نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدہ عائشہؓ سے نکاح کیا اور وہ اس وقت 6 برس کی تھیں۔

(ب) اور ان سے بناء (مباشرت) کی اور وہ اس وقت 9 برس کی تھیں۔

(ج) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وفات پائی تو وہ اس وقت 18 سال کی تھیں۔

104۔ان راویوں کا اجتماعی سماع ثابت نہیں ہوتا

ان میں سے دو راوی کوفہ کے رہنے والے ہیں اور انہوں نے مدینہ کا سفر بھی نہیں کیا، لہٰذا اجتماعی سماع ثابت نہیں ہوتا۔تاہم روایات میں حیران کن حد تک مطابقت ہے حتیٰ کہ بیک وقت بلاواسطہ اور بالواسطہ کلام (Direct and indirect speech) کا انداز بھی ایک جیسا ہے۔انفرادی سماع میں ایسا ممکن نہیں ورنہ الفاظ، اندازِ بیان، ترتیب یا متن میں کچھ ردو بدل ضرور ہوتا۔لہٰذا لامحالہ اِن کا اصل ماخذ ایک ہی ہے۔ چونکہ حدیث کی کوئی کتاب ہشام بن عروہ کی روایت کے بغیر نہیں، اس لئے اصل روایت ہشام بن عروہ سے ہے، باقی تمام روایات کی حیثیت متابع (تائیدی) ہے۔قارئین کے لیے یہ امر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ ترمذیؒ نے سیّدہ عائشہؓ کی شادی کی ایک بھی روایت کسی بھی راوی سے قبول نہیں کی۔ان راویوں پر مختصر بحث درج ذیل ہے:

ا۔روایتِ امام زہری: یہ روایت عبد بن حمید، عبدالرزاق، معمر، زہری اور عروہ کے واسطے سے سیّدہ عائشہؓ تک پہنچتی ہے۔

(1) امام زہریؒ کا عروہ سے سماع ہی ثابت نہیں: اِس روایت کے بے بنیاد ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ زہریؒ کا عروہ سے سماع ہی ثابت نہیں ہے۔ لا یثبت لہ السماع عن عروہ (تہذیب التہذیب ذکر ابنِ شہاب)۔ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ عروہ سے حدیثِ زہری وہم ہے (امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار صفحہ 341)۔ بقول ابن ابی حاتم، عروہ سے زہری کے عدم سماع پر محدثین کا اتفاق ہے۔اس لیے زہری جب بھی عروہ سے کوئی روایت بیان کریں گے وہ منقطع ہوگی۔امام طحاوی کے مطابق زہری نے یہ روایت عروہ سے نہیں سنی۔ درمیان میں سے کسی راوی کی شناخت چھپائی گئی ہے۔

(2) زہری کی زیر بحث روایت کا کوئی مُویّد نہیں۔زہری کے سینکڑوں شاگردوں میں سے معمر کے سوا کوئی بھی اسے نقل نہیں کرتا۔معمر سے عبدالرزاق کے علاوہ کوئی بیان نہیں کرتا۔عبدالرزاق سے بھی صرف عبد بن حمید نقل کرتے ہیں۔ مسلم کے سوا کسی حدیث کی کتاب میں یہ روایت

امام زہریؒ سے منقول نہیں ہے۔ زہری امامِ وقت تھے۔ امام مالکؒ ان سے روایت کرتے ہیں اور سفیانان ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اصحابِ زہری میں سے محمد بن اسحٰق، امام مالکؒ اور الزبیدی سب اس روایت سے محروم رہے۔ صرف چند سرسری ملاقاتوں میں معمر کو یہ نادر روایت زہری سے مل گئی اور معمر سے عبدالرزاق تک پہنچ گئی۔ غالب گمان ہے کہ عبدالرزاق نے جو آبائی مسلک ترک کرنے کے بعد اپنے نئے مسلک میں مبالغے کی حد تک متعصب ہو چکے تھے، یہ روایت معمر کے حوالے سے امام زہریؒ سے منسوب کر دی ہو (کشف الغمہ صفحات 133-135)۔ انقطاع، تدلیس اور تعصّب کی بنا پر بھی یہ روایت نقدِ حدیث کی رُو سے قابلِ قبول نہیں۔ یہ روایت 185ھ میں منظرِ عام پر آئی جبکہ امام زہری سنہ 124ھ میں وفات پا چکے تھے اور اِن کی زندگی میں اِس روایت کا وجود ہی نہیں تھا۔ لہٰذا اِس سے متعلق تمام حوالہ جات باطل ہیں۔ مدلّسین نے روایت میں اعتبار پیدا کرنے کے لیے زہری کی وفات کے 60/70 برس بعد اُسے امام زہری سے مروی بیان کر دیا۔ بیچارے امام زہریؒ کو تو خبر بھی نہیں ہوگی کہ یہ روایت ان کے ذمہ لگا دی گئی ہے۔

ب۔ روایت ابوعبیدہ بن عبداللہ۔ یہ روایت پانچ واسطوں یعنی قتیبہ، عبشر، مطرف، ابی اسحاق، ابوعبیدہ سے سیدہ عائشہؓ تک پہنچتی ہے۔ اس کے کچھ راویوں کی صحت حدیث کے حوالے سے ماہرین کی رائے ملاحظہ کیجئے۔

(1)۔ اِس روایت کے پہلے راوی قتیبہ نے لیث سے جمع بین الصلوٰتین کی روایت بیان کی حالانکہ لیث کی وفات 171ھ میں ہو چکی تھی جب لیث بہت کم عمر تھے لہٰذا حاکم نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ قتیبہ پر سند میں غلط بیانی کا بھی الزام ہے (تہذیب التہذیب)

(2)۔ ابواسحاق سبیعی کوفی: ان کا نام عمرو بن عبداللہ ہے۔ حضرت علیؓ اور مغیرہ بن شعبہ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ ان سے سماع ثابت نہیں۔ جوزجانی کا قول ہے کہ اہل کوفہ کی احادیث کو بگاڑنے والے اعمش اور ابواسحاق ہیں۔ اپنی روایت کو معتبر بنانے کی خاطر ابوعبیدہ کے حوالے سے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کے بیٹے

ابوعبیدہؒ کے ہم عمر تھے اور دونوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ نہ سنا۔شاید روایت میں اعتبار پیدا کرنے کے لیے ابوعبیدہ کو سند میں شامل کرلیا گیا۔ابواسحٰق کا مسلکی تعصب بھی اس روایت کو مجروح بنادیتا ہے۔

(3)۔ جس روایت کے تین راوی مدلّس ہوں یا ان کی صحتِ روایت مجروح ہو وہ کسی طرح بھی درست قرار نہیں دی جاسکتی۔

ج۔روایت اسود بن یزید

یہ روایت ابومعاویہ سے اعمش سے ابراہیم سے اسود سے سیدہ عائشہؓ تک پہنچتی ہے۔ اس کے پہلے دو راوی اپنے مسلک کی بنا پر سیدہ عائشہؓ کے خلاف انتہا درجے کا تعصب رکھتے تھے۔اعمش مدلّس اور مرسل بھی کہے جاتے ہیں لہٰذا ان کی عمرِ سیدہ عائشہؓ کی حدیث ہر لحاظ سے مجروح ہے۔ابراہیم نخعی اور اسود بن یزید کے نام ابومعاویہ نے اپنی روایت کو معتبر بنانے کے لیے شامل کئے ہیں لہٰذا تدلیس کی بنا پر بھی یہ روایت منقطع ہے۔ابومعاویہ اسی روایت کو اس کے اصل راوی ہشام بن عروہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔امکان ہے کہ نسیان کے باعث اعمش کے حوالے سے بھی روایت کر گئے ہوں (کشف الغمہ صفحہ 110)۔

د۔روایت ابوسلمہ۔یہ روایت چھ رواۃ یعنی سعید بن حکم، یحییٰ بن ایوب، عمار بن غزیہ، محمد بن ابراہیم اور ابی سلمہ سے سیدہ عائشہؓ تک پہنچتی ہے۔

(1)۔اس میں بیک وقت متکلم اور غائب کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔رواۃ کے چھ درجوں تک کہیں اس کا ذکر سننے میں نہیں آتا لیکن دو سو سال بعد جب یہ عراق سے منظر عام پر آئی تو دو صدیوں کا خلاء مختلف سندوں سے پاٹ دیا گیا۔اس کے درمیانی راویوں میں سے تین راوی مدنی ہیں جب کہ نیچے کے تین مصری راوی سخت ناقابل اعتبار ہیں۔ابوسلمہ کی روایت نسائی کے سوا حدیث کی کسی کتاب میں نہیں آئی۔اس کا نہ کوئی متابع مدینہ میں ہے نہ مصر میں۔

(2) اس کے ایک راوی سعید بن حکم بلاتکلف غلط سند سے روایت کرتے تھے (تہذیب التہذیب) دوسرے راوی یحیٰی بن ایوب، امام احمدؒ کے مطابق حافظے کے برے تھے اور

عجیب وغریب روایات بیان کرتے تھے۔ ان کی روایت سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ نسائی نے اُنہیں غیر مستند قرار دیا۔ امام احمد نے ان کے متعلق یُخطِیُٔ خطأً کثیراً کی رائے دی (تہذیب التہذیب جلد 11 صفحہ 186)۔ ان کی عجیب وغریب حدیثوں میں سے ایک یہ ہے کہ ''عورتیں جنات کی اولاد ہیں''۔ امام احمد نے ان کی حدیث کا انکار کیا ہے۔ ایسے راوی کی حدیث ساقط الاعتبار ہے۔ اِس حدیث کے ایک مزید راوی عمار بن غزیہ ہیں جنہیں عقیلی اور ابنِ حزم نے ضعیف قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب جلد 8 صفحہ 223)۔ باقی راویوں پر بھی ایسی ہی تنقید منقول ہے۔ ماہرینِ اسماء الرجال کی ان آرا کی روشنی میں اِس روایت کا سلسلہ روایت بھی نا قابلِ اعتبار ہے۔

105۔ ہشام بن عروہ ہی ان تمام روایات ماخذ اور واحد روای ہیں

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ مبیّنہ طور پر ہشام بن عروہ ہی اس روایت کے اوّلین اور واحد راوی ہیں۔ جن کے عراقی شاگردوں نے ہشام کی وفات کے چالیس سال بعد زیر بحث روایت ان سے منسوب کر کے بیان کی۔ یہ روایت پہلی بار امام بخاری کی پیدائش سے دس برس قبل سنہ 185 ھ میں منظر عام پر آئی اور سنہ 240 ھ سے 250 ھ کے عرصہ میں مجموعہ احادیث میں شامل ہوئی۔ اُس سے پہلے دوسو سالوں میں یہ روایت کبھی سننے میں نہ آئی نہ ہی یہ پہلی احادیث کی کتب میں شامل ہے۔ نقدِ حدیث کے معیار پر یہ روایت ''خبر واحد'' کہلاتی ہے جس میں ہر قدم پر ظن اور لغزش کا قوی امکان ہے۔

زیرِ بحث روایات کے راوی ہشام بن عُروہ کا تفصیلی تعارف

106۔ ہشام بن عُروہ کون تھے؟

ہشام بن عُروہ سیّدہ اسماءؓ اور زبیرؓ بن عوام کے پوتے تھے۔ اول اول وہ بہت معتبر راوی سمجھے جاتے تھے۔ 71 برس مدینہ میں قیام کے دوران میں انہوں نے ایسی کوئی غیر معتبر حدیث بیان نہیں کی۔ امام مالکؒ بھی شروع میں ان سے حدیث کا درس لیتے تھے، لیکن بعد میں ان کا

اعتبار ہشام کی روایات کی صحت کے متعلق متزلزل ہو گیا۔ 145 ھ میں وہ قرض خواہوں سے بھاگ کر بغداد منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے اگلے ہی سال بعمر 86 سال وفات پائی۔ وہ بغداد پہنچنے کے بعد نابینا ہو گئے تھے اور اُن کی آخری عمر بہت خراب حالات میں بسر ہوئی کشف الغمہ صفحہ 143-144)۔ انہوں نے سیّدہ عائشہؓ کی نو سال میں شادی کی روایت بھی بے بصری کی حالت میں بیان کی۔

107۔ ہشام بن عُروہ کا نسیان اور ذہنی کیفیت

ذہبی فرماتے ہیں کہ جوانی میں ہشام بن عروہ کا حافظہ جتنا عمدہ تھا بڑھاپے میں نہ رہا۔ عراق میں انہوں نے لوگوں کے سامنے ایسی احادیث پیش کیں جنہیں وہ صحیح طور پر بیان نہ کر سکے (میزان الاعتدال جلد 4 ترجمہ ہشام)۔

108۔ اہلِ مدینہ کے ہشام کی روایات پر اعتراضات

عبدالرحمٰن بن فراش کا بیان ہے وکان مالک لایرضاہ و تقم علیہ حدیثہ لاھل العراق (اور امام مالکؒ اس سے راضی نہ تھے، تحقیق وتنقید کیا کرتے تھے اہل عراق کی احادیث پر) انہوں نے ان پر قیامِ عراق کی احادیث کے باعث اعتراض کیے ہیں۔ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ عراقی روایات کے باعث تمام اہلِ مدینہ نے اُن پر اعتراضات شروع کر دیئے (بحوالہ تہذیب التہذیب وتاریخ بغداد صفحہ 222-223)۔

109۔ امام مالکؒ نے ہشام کو آخر العُمر میں دروغ گو قرار دیا

تاریخِ بغداد کے مصنف جناب خطیب بغدادی نے امام مالکؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہشام بن عُروہ ایک دروغ گو انسان تھا (تاریخ بغداد، ص 104-105)۔ امام مالکؒ کے علاوہ خود اہلِ مدینہ بھی ہشام سے مروی احادیث میں اغلاط کی نشاندہی کرنے لگے تھے (تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ 109 اور جلد دوم صفحہ 50)۔ ہشام بن عُروہ نے آخر عمر میں جب وہ سٹھیا گئے تھے، اپنے والد کے حوالے سے ایسی احادیث بیان کرنا شروع کر دیں جو انہوں

نے اپنے والد سے نہیں سنی تھیں اور ان کی صحتِ روایت مشکوک تھی (حافظ ذہبی، میزان الاعتدال ج 4؛ تہذیب التہذیب، جلد 11، صفحہ 48)۔ ہشام بن عروہ نے اپنی مدنی زندگی میں کہا تھا کہ جب تم سے کوئی عراقی ایک ہزار احادیث بیان کرے تو نوسونوے کو زمین پر دے مارو اور باقی دس میں بھی شک کرتے رہو۔ مذکورہ احادیث کا تو ماخذ ہی عراق ہے اور تمام راوی کوفی یا بصری ہیں، لہٰذا یہ کیسے معتبر ہو سکتی ہیں؟ (عمرِ عائشہؓ از حبیب الرحمٰن کاندھلوی)۔

110۔ ہشام بن عروہ کا بدلتا ہوا اندازِ روایت

شام بن عروہ نے تین بار عراق کا سفر کیا۔ ہر سفر میں ان کا حدیث بیان کرنے کا انداز بدلتا رہا۔ پہلے سفر میں وہ اس طرح روایت کرتے تھے۔ ''حَدَثَنِیْ اَبِیْ قَالَ سَمِعْتُ عائشہؓ'' میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی، اُس نے کہا میں نے عائشہ کو سنا۔

دوسرے سفر میں انہوں نے یوں حدیث بیان کی ''اخبرنی ابی عن عائشہؓ'' میرے باپ نے خبر سنائی عائشہؓ سے۔

تیسرے سفر میں ان کا اندازِ بیان یوں تھا۔ ''ابی عن عائشہ رضی اللہ عنہا'' میرے باپ نے عائشہؓ سے۔ اس ہر لحظہ بدلتے طرزِ بیان سے امام مالکؒ ان سے ناراض ہو گئے اور مدینے والوں نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ پھر ہشام بن عروہ کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ کسی سے بھی کوئی روایت سنتے، اُسے اپنے باپ عروہ سے منسوب کر کے بیان کرتے۔ امام مالکؒ نے ان کی اسی کذب بیانی کی وجہ سے مزید روایات لینا ترک کر دیا۔ تیسرا سفرِ عراق انہوں نے سنہ 145ھ میں کیا۔ اسی عرصہ میں انہوں نے مبینہ طور پر پہلی بار تزوجِ عائشہؓ کی روایت اپنے کوفی و بصری شاگردوں کے سامنے بیان کی جب ان کی عمر 85 سال تھی، وہ نسیان واختلاط کا شکار اور بصارت سے محروم ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک سال بعد سنہ 146ھ میں بعمر 86 سال عراق ہی میں وفات پائی (تہذیب التہذیب جلد 11 صفحہ 48)۔

111۔ عراق میں ہجرت کے بعد ہشام بن عُروہ کی ذہنی حالت ناقابلِ اعتبار تھی

بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ ہشام کی ذہنی کیفیت مدینہ سے ہجرت کے بعد معمول پر نہیں

رہی تھی بلکہ وہ نسیان میں مبتلا ہو چکے تھے۔اس کی وجہ ان کا ایک بیان ہے کہ "میری بیوی عمر میں مجھ سے تیرہ برس بڑی تھی اور وہ نو برس کی تھی کہ رخصت ہو کر میرے گھر آئی" (تہذیب التہذیب جلد 12 ، بیانِ فاطمہ)۔ گویا ہشام کی پیدائش سے چار سال قبل ہی رخصتی بھی ہوگئی؟ حافظ ذہبی بیان کرتے ہیں کہ ہشام کی بیوی کی عمر رخصتی کے وقت 29 سال تھی لیکن انہوں نے دو عشروں کو گرا کر 9 کر دیا۔بعض محققین کی رائے ہے کہ نسیان کی وجہ سے ہشام نے جس طرح تسعۃ عشرین (29) کو صرف تسعۃ (9) بنا ڈالا، اسی طرح انہوں نے سیّدہ عائشہؓ کی عمر میں سے بھی ایک عشرہ کم کر کے ستۃ عشر (16) کو ستۃ (6) اور تسعۃ عشر (19) کو تسعۃ (9) بنا ڈالا۔قرائن کے پیش نظر یہی امکان سب سے قوی دکھائی دیتا ہے۔(کشف الغمۃ، صفحات 613 بعد)۔

112۔ہشام بن عُروہ کی روایت کے امکانات کا تجزیہ

زیر بحث روایت کا بنظرِ غائر جائزہ لینے کے بعد ہماری منصفانہ رائے ہے کہ ہشام بن عروہ جن کی شہرت شروع میں ایک معتبر راوی کی تھی ارادتاً ایسی کذب بیانی کے مرتکب نہیں ہوئے ہوں گے۔اس امکان کے ردّ کے بعد محققین نے مندرج ذیل امکانات کا اظہار کیا ہے:-

ا۔ ہشام بن عُروہ نسیان کے مرض اور قرض خواہوں کے تقاضوں کے باعث شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھے اور بینائی بھی کھو بیٹھے تھے۔اِسی کیفیت میں اُنہوں نے سیّدہ عائشہؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح اور رخصتی کے وقت غلط عمر بیان کی یعنی ستہ عشرہ اور تسعۃ عشرہ کو صرف ستہ اور تسعہ بنا ڈالا۔

ب۔ ہشام بن عروہ نے یہ روایت بیان ہی نہیں کی بلکہ بغداد میں ان کے مبینہ شاگردوں نے ہشام کی وفات کے 39 سال بعد 185 ھ میں یہ روایت خود وضع کی اور ہشام کے نام سے منسوب کر دی۔عین ممکن ہے کہ انھوں نے اسکے عوض حکمرانِ وقت سے مالی فوائد بھی حاصل کیئے ہوں۔

ج۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کسی شر پسند نے امام بخاریؒ کے ذخیرہ احادیث میں سے

شرارتاً عشر کا لفظ مٹا ڈالا۔ تاہم اس کا امکان بہت کم ہے کیونکہ بیشتر محدثین کو احادیث زبانی حفظ تھیں۔

د۔ کچھ عاقبت نا اندیش لوگوں نے فقہی اختلاف کی بنا پر سیّدہ عائشہؓ کی قدر و منزلت کم کرنے کے لیے اس وضعی روایت کی تشہیر کی جو سُوء اتفاق سے تصدیق کے عمل سے بچ کر صحیحین میں جگہ پا گئی۔ متاخرین نے صحیحین کے احترام میں اسکے جواز کو چیلنج کرنے کی جرأت نہ کی اور یہ قبولِ عام کی سند پا گئی۔

ہ۔ عربی روزمرہ میں بات چیت کرتے ہوئے بعض دفعہ دہائی اور سینکڑے کو حذف کر کے بیان کیا جاتا ہے، یعنی ستہ عشر کو صرف ستہ اور تسعۃ عشر کو صرف تسعۃ بولا جاتا ہے، لیکن سننے والا قرائین سے درست بات سمجھ لیتا ہے۔ امکان ہے کہ کسی راوی نے اختصار کی خاطر یہ اندازِ بیان اپنایا ہو لیکن سامع درست مفہوم تک نہ پہنچ پایا اور ستہ وتسعہ کو ہی درست سمجھ بیٹھا۔

و۔ ہشام کی روایت میں ہند سے چھوٹنے کا امکان درست نہیں کیونکہ سنین کا عدد ایک بار نہیں بلکہ تین بار استعمال ہوا ہے۔ نیز اِس میں ثمانی عشر کا عدد بھی ہے جس کے ساتھ عشرہ یا عشرین کے استعمال کا کوئی محل نہیں۔ لٰہذا قوی امکان یہی ہے کہ نسیان اور اختلاط کی بنا پر ہشام بن عروہ غلطی کر گئے ہوں یا کسی نے باقاعدہ منصوبے کے تحت اعداد میں ردوبدل کر کے ناقص صورت میں یہ روایت مشتہر کر دی ہو۔

113۔ ہشام بن عُروہ کاذب تھے تو محدثین نے ان کی احادیث کیوں قبول کیں؟

ا۔ بعض ناقدین نے سوال اٹھایا ہے کہ اگر ہشام بن عروہ کاذب تھے تو امام مالکؒ نے موطا میں ان کی احادیث کیوں شامل کیں؟ ہشام بن عُروہ کے متعلق ہم نے دیانت داری سے بیان کر دیا ہے کہ اوّل اوّل وہ بہت مستند راوی تھے۔ اُس دور کی ہشام کی

بیان کردہ احادیث بخاری، مسلم اور مؤطا میں بھی شامل ہیں۔ تاہم آخر عمر میں جب وہ نسیان کا شکار ہو گئے اور قرض خواہوں کے تقاضوں کی وجہ سے مخبوط الحواس ہو گئے تو لازم ٹھہرتا ہے کہ ان کی عراق میں بیان کردہ روایات کو تحقیق و درایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور غیر معتبر روایات کو مسترد کر دیا جائے کیونکہ ان پر کذب بیانی کا گمان ان احادیث کی وجہ سے ہوا جو انہوں نے عراق کے عرصۂ قیام میں بیان کیں۔ مؤطا، مسلم اور بخاری میں شامل ابن عروہ سے مروی احادیث ہرگز اس بات کا ثبوت نہیں کہ ہشام بن عروہ آخری عمر تک قائم الحواس تھے اور نسیان میں مبتلا نہیں ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا اپنی بیوی کی عمر اور اس سے 6 سال کی عمر میں مباشرت جیسا بیان ان کے مخبوط الحواس ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

ب۔ محدثین کو جب بھی یہ گمان گزرا کہ بعض ثقہ راوی ارزلِ عُمر کے باعث نسیان میں مبتلا ہو گئے ہیں یا بصارت سے محرومی کے بعد زبانی احادیث بیان کر رہے ہیں، تو ان کو ترک کر دیا۔ امام مالکؒ نے بھی اسی بنا پر ہشام بن عروہ کو ان کی اہل عراق سے روایت کی گئی احادیث کے باعث ترک کر دیا تھا۔ موطا امام مالکؒ میں شامل ہشام کی احادیث اس دور کی ہیں جب وہ قائم الحواس تھے۔

114۔ نکاح لڑکی کی اجازت سے مشروط ہے

ا۔ روایاتِ صحیحہ اور تاریخی بیانات میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ کسی نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا ہو۔ اس کے برعکس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات بکثرت ملتے ہیں کہ نکاح کے لیے لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ لڑکی کو اپنے نفس کا ولی سے زیادہ اختیار ہے، اور کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت لی جائے، اور اُس کی خاموشی ہی اس کی اجازت سمجھی جائے گی'' (روایت از ابنِ عباسؓ)، سوائے بخاری کے دیگر تمام محدثین احمد، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ بیوہ ہو یا یتیم لڑکی، ہر دو صورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکی کی

اجازت کو ضروری قرار دیا ہے۔ اجازت وہی لڑکی دے سکتی ہے جو جسمانی اور ذہنی طور پر بالغ ہو۔ نابالغ یا بے شعور لڑکی کی اجازت کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔

ب۔ روایات کے ذخیرہ میں یہ ذکر کہیں نہیں ملتا کہ نابالغ لڑکی کا نکاح اُس کا ولی اپنی مرضی سے کر سکتا ہے۔ اگر اس بات کی گنجائش ہوتی تو آپ ﷺ لامحالہ اس کا حکم بھی ضرور بیان فرماتے۔ اس کے برعکس، خود روایات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ قبل از اِسلام بعض عورتیں اپنا نکاح اپنی مرضی سے، بغیر ولی کے خود ہی کر لیا کرتی تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو یہ ہدایت فرمانا پڑی کہ ''کوئی نکاح ولی کے بغیر نہیں ہونا چاہیے''۔ یہ ممانعت اس بات کا ثبوت ہے کہ عربوں میں عورتوں کا اپنا نکاح خود کر لینے کا رواج موجود تھا۔ آپ ﷺ نے اس رواج کو عورتوں میں شرم وحیا اور فطری حجاب کے خلاف پایا اور اس کی اصلاح فرمائی (بحوالہ فقہ القرآن از عمر احمد عثمانی)۔

115۔ شادی کا مقصد ہی بقائے نسل ہے

شادی کا اصل مقصد تو بقائے نسلِ انسانی ہے نہ کہ شہوت رانی۔ اللہ تعالیٰ نے اگر شادی کو محض دینی فریضہ قرار دیا ہوتا تو شاید لوگ تارکِ صوم وصلوٰۃ کی طرح تارک النکاح بھی ہو جاتے اور یوں نسلِ انسانی معدوم ہو جاتی۔ اِسی لیے اللہ نے جنسی مقاربت کو نشاط انگیز بنا دیا تا کہ لوگ جبلی طور پر مخالف جنس کی طرف راغب ہوں اور نسلِ انسانی کا تسلسل برقرار رہے۔ اس ضمن میں اللہ نے جب بیویوں کا ذکر کیا تو یہ بھی فرما دیا:

وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا‌ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ‌ۚ

(الاعراف 189:7)

''اور تم سے تمہاری ہم جنس عورتیں پیدا کیں تا کہ تم ان سے تسکین اور راحت پاؤ''۔ مزید وضاحت کر دی کہ ''پھر جب وہ اُسکے پاس جاتا ہے تو بیوی کو ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے''

116۔ قرآنِ مجید کے مطابق نکاح صرف نساء (بالغ عورتوں) سے جائز ہے

دنیا کے تمام مذاہب اور مہذب اقوام میں شادی کا مقصد افزائشِ نسل ہی سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے شادی صرف بالغ مرد اور بالغ عورت کی ہوتی ہے۔ بالغ عورت کے لیے قرآن مجید میں نہ صرف نساء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے بلکہ ایک پوری سورت ''النساء'' کے نام سے ہے۔ اسی سورۃ کی تیسری آیت میں فرمان الٰہی ہے۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (ان میں سے اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرلو)۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے لیے صبیة، طِفلة، الجاریه یا مراهقه (کم سن نابالغ اور قریب البلوغ لڑکیوں) کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس آیت میں لفظ نساء کے استعمال سے کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہنا چاہیے کہ نکاح صرف بالغ عورتوں سے ہی جائز ہے۔

117۔ زیادہ بچے پیدا کرنیوالی عورتوں سے مناکحت کا حکم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ تم ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ پیار کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوں (ابوداؤد روایت نمبر 2050)۔ نابالغ لڑکی ان دونوں شرائط پر پورا نہیں اترتی کیونکہ اس کے لیے مباشرت کا عمل راحت کے بجائے سراسر اذیّت کا باعث ہے اور وہ عدم بلوغت کی وجہ سے بچے بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات کے خلاف عمل کیا ہوگا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ قرآنِ مجید کی عملی تفسیر ہے؟ (حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا)۔

عربی لُغت اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق باکرہ سے مُراد بالغ دوشیزہ ہے

118۔ باکرہ کے معنوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث قولِ فیصل ہے

عربی لغت کے مطابق شیر خوار اور کمسن بچی کے لیے لفظ ''صبيّه'' اور نوعُمر لڑکی بالی کے لیے لفظ ''الجاريه'' ہے؛ قریب البلوغ لڑکی کے لیے لفظ ''مراهقه'' ہے، جبکہ بالغ نوجوان لڑکی کے

لیے درست لفظ ''فتاۃ'' ہے۔ تاہم اگر وہ غیر شادی شدہ دوشیزہ ہو تو صحیح ترین لفظ ''باکرہ'' ہے۔ اگر لڑکی کی پہلے شادی ہو چکی ہو اور وہ طلاق یافتہ یا بیوہ ہو تو اُس کے لیے درست لفظ ''ثیبہ'' ہے۔ خولہؓ نے سیّدہ عائشہؓ کے لیے لفظ باکرہ اِستعمال کیا تھا جس کا مطلب ''بالغ کنواری'' ہے، کم سن کنواری نہیں۔ اس کی دلیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث قولِ فیصل ہے ''اَلْبِکْرُ تُسْتَأْذَنُ فِیْ نَفْسِھَا وَاِذْنُھَا صُمَاتُھَا'' (صحیح مُسلم جلد 4)۔ (باکرہ سے اس کے نکاح کے سلسلے میں اجازت لی جائے اور اُس کی خاموشی اس کی اجازت ہے)۔ اس حدیث سے بالکل واضح ہے کہ باکرہ سے مراد بالغ جوان لڑکی ہے جو اپنا بُرا بھلا سمجھتی ہو نہ کہ فہم و شعور سے نابلد کم سن بچی، جس کی اجازت بے معنی بات ہے۔

119۔ عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں

دینِ فطرت میں جنسی آسودگی حاصل کرنے کا شرعی طریقہ نکاح ہے تاکہ نسلِ انسانی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ میاں بیوی ایک دوسرے سے تسکین اور راحت بھی حاصل کریں خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا (الروم 30:21)۔ قرآنِ کریم میں عورتوں کو مردوں کی کھیتیاں قرار دیا گیا ہے ''نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ'' (البقرہ 2:223 تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں)۔ کھیتی میں کاشت اور تخم ریزی کا مقصد ہی فصل پیدا کرنا ہے جو کہ بقاءِ نسلِ انسانی کے لیے ناگزیر ہے۔ نابالغ بچی سے نکاح کرنے سے بقائے نسل کا مقصد تو سرے سے فوت ہو جاتا ہے، بس ہوس رانی باقی رہ جاتی ہے۔

120۔ نابالغ بچی ناقابلِ کاشت کھیتی ہے

چونکہ نابالغ لڑکی بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، لہٰذا ایسی کھیتی میں تخم ریزی ایک خلافِ فطرت فعل ہے۔ سن 9 ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صُلب سے آخری اولاد حضرت ابراہیمؓ تھے جو سن 9 ہجری میں سیّدہ ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ گویا 61 سال کی عمر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تخلیقی صلاحیت برقرار تھی۔ لہٰذا 12 سال قبل سن 10 نبوت میں سیّدہ

عائشہؓ سے نکاح کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّدہ عائشہؓ کی اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کو بھی ضرور پیشِ نظر رکھا ہوگا۔ تخلیقی صلاحیتوں سے محروم اور جنسی معاملات سے نابلد نابالغ بچی سے نکاح اور مباشرت کا تصور ہی صاحبِ دل انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ گویا کم سن لڑکی بنتِ حوّا نہیں بلکہ بھیڑ بکری ہے جسے جس عمر میں چاہا ذبح کر لیا۔ ہمارے نزدیک یہ شرفِ انسانیت کی توہین ہے جس کے مرتکب (معاذ اللہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔

121۔ کیا کمسن نابالغ بچی باہمی تسکین و راحت کا موجب ہو سکتی ہے؟

قرآنِ مجید کی آیات، الاعراف 189:7؛ البقرہ 223:2، میں اللہ تعالیٰ نے ازواج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے، "تاکہ تم اُن سے تسکین و راحت حاصل کرو" وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۝ اور "تم میں باہمی محبت اور مؤدّت رکھ دی"۔ بدیہی امر ہے کہ جنسی معاملات سے بے خبر کمسن نابالغ بچی وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کا شعور ہی نہیں رکھتی۔ اس دوطرفہ عمل میں برضا و رغبت نہ تو وہ شریک ہو سکتی ہے، نہ اُس سے خود تسکین پا سکتی ہے، نہ شوہر کی تسکین کا باعث بن سکتی ہے اور نہ ہی ان میں باہمی محبت و مؤدت کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ اُسکے لیے تو جنسی عمل سراسر اذیّت کا باعث ہوگا۔ لہٰذا خوف اور وحشت میں مبتلا تڑپتی، سسکتی نابالغ بچی سے مباشرت کے عمل سے Paedophilia کے عارضے میں مبتلا کوئی نفسیاتی مریض اور جنسی جنونی ہی تسکین حاصل کر سکتا ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں نابالغ بچی سے نکاح اور مباشرت کیا اِسلام کے آفاقی قوانین کے منافی نہیں؟

اُمتِ مُسلمہ کے غور و فکر کے لیے چند نکات

122۔ آپ کے نزدیک حدیث اور صاحبِ حدیث صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ اہم کون ہے؟

حدیث کی اہمیت اس لیے ہے کہ یہ وہ علم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کو روایت کی

صورت میں ہم تک پہنچتا ہے۔ قرآنِ مجید کی سورہ بقرہ آیت نمبر 151 کے مطابق حضور ﷺ ہمیں ”کتاب اور حکمت“ کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے۔ کتاب تو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی، حکمت کا علم حضور ﷺ کی سیرتِ طیّبہ سے ہم تک حدیث کی صورت میں پہنچا۔ لہٰذا یہ دونوں علوم لازم وملزوم ہیں۔ حدیث کی اہمیت حضور ﷺ ہی کی وجہ سے ہے۔ تاہم اگر کوئی مشکوک روایت حضور ﷺ کی سیرتِ طیّبہ کو داغ دار کرنے کا موجب بن رہی ہو تو ایسی ہر روایت کو بلاتردد مسترد کر دینا چاہیے۔ قرآنِ مجید کی سورہ نور آیت نمبر 12 کے مطابق: ”جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے دِل میں نیک گمان کیوں نہ کیا“۔ گویا ایسی ہر گمراہ کن روایت جو حضور ﷺ اور ازواجِ مطہّرات کے متعلق منفی تائثر پیدا کرے، اسے قبول نہیں کرنا چاہیے۔ مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں ہمیں نو سال والی روایت کو قطعاً مسترد کر دینا چاہیے کیونکہ نہ تو یہ تحقیق وتصدیق کی کسوٹی پر درست قرار پاتی ہے اور نہ ہی حضور ﷺ کے کردار سے ہم آہنگ ہے۔ صرف ایک ضعیف اور مشکوک روایت کے دفاع میں ہمیں اتنا آگے نہیں نکل جانا چاہیے کہ شافعِ محشر ﷺ، سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی حرمت کو پسِ پشت ڈال دیں۔

123۔ مبیّنہ روایت کو درست تسلیم کرنے کے لیے متعدد قوی احادیث کا انکار لازم ٹھہرتا ہے

مبیّنہ روایت متعدد دیگر احادیث سے متصادم ہے۔ اختصار کی خاطر ہم نے اس کتابچے میں کچھ احادیث کو شامل بھی کیا ہے لیکن کئی دیگر احادیث کی رُو سے بھی ہشام بن عُروہ کی روایت غلط قرار پاتی ہے۔ ایک مخصوص سوچ کے لوگوں کو خدشہ ہے کہ اگر آثار کے زمرے میں آنے والی اس روایت کو غلط تسلیم کر لیا گیا تو پھر نجانے مزید کتنی روایات غلط قرار پائیں گی۔ تاہم وہ اس چیز پر غور نہیں فرماتے کہ محض اس روایت کو درست تسلیم کرنے کی خاطر آج بھی کتنی ہی قوی احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ مزید برآں قرآنِ مجید میں موجود اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کی صریح خلاف ورزی کرنا پڑتی ہے جو نکاح کے لیے بلوغت کو لازم قرار دیتا ہے۔

124۔ کسی روایت کا صرف مقبول ہو جانا ہی اس کی صحت کی دلیل نہیں

ہمارے ایک ناقد کا فرمانا ہے کہ ہشام بن عروہ کی روایت کا مقبول ہو جانا ہی اس کی صحت کی دلیل ہے۔ اپنی اس منطق کے خلاف موصوف نے خود کئی مثالیں دی ہیں کہ اہل عرب کے بہت سے محاورات، ضرب الامثال، صوفیا کے اقوال اور واعظین کے رشد وہدایت اور عقل ودانش پر مبنی متعدد جملے کئی مسلمان ممالک میں احادیث کے طور پر رائج ہو چکے ہیں۔ اسی طرح بہت سی وضعی روایات بھی صدیوں سے گردش میں ہیں۔ لہٰذا نقدِ حدیث کی رو سے کسی روایت کا محض مقبول ہو جانا ہی اس کی صحت کی دلیل نہیں۔

125۔ عمر عائشہؓ کی روایت ''حدیث'' نہیں

واضح رہے کہ ''حدیث'' کی تعریف کی رُو سے ''عمرِ عائشہ'' کی روایت حدیث نہیں بلکہ ''آثار'' کے زمرے میں آتی ہے۔ لیکن اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل میں شمار کرنے کے لیے نو سال کی عمر میں ''جنسی مقاربت'' کا قصہ بھی گھڑ لیا گیا تا کہ یہ ''فعلی حدیث'' کا درجہ حاصل کر سکے۔ صرف یہ امر ہی مذکورہ روایت کے من گھڑت ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

126۔ گڑیاں کھیلنے اور جھولا جھولنے سے نو سال عمر کا جواز نہیں ملتا

بقول ہشام بن عروہ سیّدہ عائشہؓ نکاح (نسبت) کے وقت گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اور شادی والے دن جھولا جھول رہی تھیں۔ اگر یہ روایت درست بھی ہے تو اس سے عمر کا تعین 6 سال اور 9 سال نہیں ہوتا۔ کمپیوٹر کے موجودہ جدید دور میں بھی 13/14 سال کی عمر کی لڑکیاں گڑیوں سے کھیلتی ہیں۔ نیز ہمارے دیہات میں میلوں ٹھیلوں میں اور برسات کے موسم میں بالغ لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں بھی جھولا جھولتی ہیں۔ اس سے کم عمری کا جواز فراہم کرنا غیر منطقی فعل ہے۔

127۔ سیّدہ عائشہؓ 16/17 سال کی عمر میں بھی گڑیوں سے کھیلتی تھیں؟

ا۔ کتاب الادب (ابوداؤد) اور ابن ماجہ کی سیّدہ عائشہؓ سے مروی ایک روایت کے

مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک (9ھ) سے واپس آئے یا غزوہ خیبر (7ھ) سے، (راوی کو پورا یقین نہیں ہے) تو ہوا سے گھر میں لٹکے ہوئے پردے کا ایک کونہ کھل گیا جس کے پیچھے عائشہؓ کے کھلونے اور گڑیاں تھیں۔ ان میں دو پروالا ایک گھوڑا بھی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ گھوڑا اور دو بازو؟ سیّدہ عائشہؓ نے کہا! ''آپ نے نہیں سنا، حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے کئی پر تھے''۔ اس پر آپ ہنس دیئے اور میں نے ہنسنے سے آپ کی کچلیاں دیکھیں (حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف خفیف تبسّم فرمایا کرتے تھے)۔

ب۔ ایسی تمام روایات کا مقصد سیدہ عائشہؓ کو صرف ایک کھلنڈری لاپروا لڑکی کے روپ میں پیش کرنا ہے۔ 9ھ میں سیّدہ عائشہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے ہوئے 7 سال ہو چکے تھے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک ان گڑیوں کے وجود سے لاعلم تھے؟ وہ چھوٹا سا حجرہ کیا اتنا وسیع و عریض تھا کہ گڑیوں والا کونہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہدے سے بچا رہا اور اگر ہوا نہ چلتی تو آخر دم تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان گڑیوں کی موجودگی کا علم نہ ہوتا؟ غزوہ خیبر 7ھ میں اور غزوہ تبوک 9ھ میں واقع ہوا۔ اُس وقت سیدہ عائشہؓ کی حقیقی عمر 26 سال اور ھشام بن عروہ کی 9 سال والی روایت کے مطابق بھی 16/17 سال ہو چکی تھی۔ کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس چہیتی بیوی کی تصویر کشی ہے جنہیں ہم عاقلہ، فاضلہ، فقیہہ اور عالمہ تسلیم کرتے ہیں یا اس مقدس ہستی کا مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت کم کرنے کی ارادی کوشش ہے؟

128۔ زفاف کے معاملات (Conjugal Matters) دوسروں کے سامنے بیان کرنے کی ممانعت

اول تو مبینہ روایت میں زن وشو کے تعلقات کا بے تکلفانہ بیان ہی طبیعت پر شاق گزرتا ہے کیونکہ یہ امر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب بیوی کی زبانی بیان ہونا ان کی متانت اور وقار کے منافی

دکھائی دیتا ہے۔ دوم اس سلسلے کی بیشتر روایات کے راوی ہشام بن عروہ اور تمام احادیث کا آخری ماخذ ایک مرد راوی عروہ بن زبیرؓ ہیں جو سیّدہ عائشہؓ کی بہن اسماءؓ کے بیٹے یعنی عائشہؓ کے بھانجے تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے (البقرہ آیت نمبر 831) اور زفاف کے معاملات دوسروں کے سامنے بیان کرنے والے پر وعید فرمائی ہے (صحیح مسلم حدیث نمبر 1437، موسوعۃ الکتب الستۃ)۔ کیا (معاذ اللہ) سیّدہ عائشہؓ مذکورہ حدیث کی خلاف ورزی کرتے ہوئے صرف اپنی شادی ہی نہیں بلکہ خلوت تک کے واقعات اپنے پروردہ بھانجے اور دیگر مرد حضرات کے سامنے بیان کرسکتی تھیں؟ یہ روایت سراسر من گھڑت اور وضعی ہے جو ہشام بن عروہ نے آخر عمر میں اپنے والد سے منسوب کر کے بیان کردی یا ان کے شاگردوں نے خود وضع کر کے ہشام بن عروہ اور دیگر معتبر رواۃ سے منسوب کردی۔

129۔ شرعی مسائل دریافت کرنے میں شرم مانع نہیں ہونی چاہیے؟

ہمیں علم ہے کہ شریعت کے مسائل بیان کرتے وقت شرم مانع نہیں ہونی چاہیے۔ تاہم حضرت علیؓ کو جریانِ مذی کی شکایت تھی اور وہ جاننا چاہتے تھے کہ اس کیفیت میں غسل یا وضو تو واجب قرار نہیں پاتا۔ لیکن وہ سیّدہ فاطمہؓ کے اپنے عقد میں ہونے کی بنا پر یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھنے سے حیا محسوس کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک اور صحابی کے ذریعے یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا (مشکوٰۃ)۔ عورتوں کو جب اپنے مخصوص مسائل پر کچھ دریافت کرنا ہوتا تھا تو وہ امہات المومنین کے ذریعے یا اپنے شوہروں کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُمّہات المومنین کے ذریعے یا صحابہ کرامؓ کے ذریعے ان مسائل کا حل بتایا کرتے تھے (صحیح بخاری)۔

130۔ عروہؓ نے سیّدہ عائشہؓ سے کون سا شرعی مسئلہ دریافت کیا تھا؟

عروہؓ کی مبینہ روایت سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انہوں نے سیّدہ عائشہؓ سے کوئی شرعی مسئلہ

دریافت کیا تھا جس کے جواب میں یہ روایت بیان کی گئی ورنہ زیر بحث مسئلے کا ذکر بھی روایت میں شامل ہوتا۔ یہ بات تو موجودہ دور میں بھی کوئی شریف زادی اپنی بے تکلف محرمِ راز سہیلی سے بھی بیان نہیں کرتی کہ اُس کے شوہر نے اُس سے پہلی بار مباشرت کب کی تھی۔ کیا ام المومنینؓ (معاذ اللہ) اپنی قطعی ذاتی اور ازدواجی زندگی کے واقعات خود سے چالیس سال چھوٹے بھانجے اور دیگر مردوں کے سامنے بلا تکلف بیان کرتی رہتی تھیں؟ ایسا خیال ہی سراسر لغو اور ناقابلِ قبول ہے۔

131۔آج عرب ممالک میں بچیاں نوسال کی عمر میں جوان کیوں نہیں ہوتیں؟

ہمارے علماء کو سیّدہ عائشہؓ کی کم عمری میں شادی کے اشکال کا شعور تھا لہٰذا انہوں نے ''مبینہ حدیث'' کے احترام میں مسعودی کا وضع کردہ جواز قبول کر لیا کہ عرب کی گرم آب و ہوا میں لڑکیاں جلد جوان ہو جاتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا آج عرب کے محل وقوع میں کوئی تبدیلی واقع ہو گئی ہے یا ائیر کنڈیشننگ کی وجہ سے آب و ہوا تبدیل ہو گئی ہے کہ آج وہاں 9 سال کی عمر میں لڑکیاں بلوغت کو نہیں پہنچ رہیں؟ واضح رہے کہ اُس زمانے میں عرب ممالک کو غذائی قلت کا سامنا تھا اور کم از کم دو مواقع پر قریشِ مکّہ کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما کر قحط کا خاتمہ کیا۔آج بھرپور توانائی اور غذا کی افراط کے باوجود کوئی وجہ نہیں کہ لڑکیاں نوسال کی عُمر میں بلوغت کو نہیں پہنچ رہیں؟۔ پاکستان میں سبی اور جیکب آباد کا شمار دنیا کے گرم ترین علاقوں میں ہوتا ہے۔کیا وہاں لڑکیاں کم عمری میں بالغ ہو جاتی ہیں؟ کیا عرب ممالک میں مقیم پاکستانیوں کی بچیاں وقت سے پہلے بالغ ہو رہی ہیں؟ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ ٹھنڈے خطوں میں واقع یورپی اور وسطی ایشیائی ممالک، امریکی ممالک اور روس، چین و جاپان وغیرہ میں اچھی غذا، حفظانِ صحت کی سہولیات، ورزش اور آزاد ماحول کی وجہ سے بلوغت کے آثار جلد نمایاں ہوتے ہیں۔

132۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ مسلمانوں کیلئے بہترین نمونہ ہے

(احزاب 33:21)

بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول وفعل مومنین کے لیے قابلِ تقلید اور قابلِ ترجیح ہونا چاہیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیّدہ عائشہؓ سے کم سنی میں شادی کی روایت کو درست ماننے والے اصحاب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بہترین نمونے کو چھوڑ کر، کم تر طریقہ کیوں اپنا رکھا ہے؟ اگر انہیں اِس خلافِ قانونِ فطرت روایت کی صحت پر یقین ہوتا تو یقیناً وہ اپنی نابالغ بچیوں کی شادی بھی کم عمری میں کرنے کو ترجیح دیتے۔

133۔ پاکستان میں رائج الوقت قانون

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں پاکستان میں بھی کمسنی کی شادی کے امتناع کا قانون رائج ہو چکا ہے جس کے مطابق لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے شادی کی کم از کم عمر بالترتیب 18 اور 16 سال ہے۔ اس کے باوجود غیر قانونی شادیوں کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ملک کے کئی حصوں میں 'ونی' کی رسم کے ذریعے اس قانون کی خلاف ورزی ہوتی رہتی ہے، جو کمسن لڑکیوں کے حق میں سراسر غیر انسانی رویہّ ہے۔ ہمارے علمأ کو چاہیے کہ ایسی خلاف ورزیوں میں معاون بننے کے بجائے ان کے خلاف مزاحمت کا رویہ اختیار کریں۔

قارئین کے لیے دعوتِ غور وفکر

134۔ نہ تو رواۃ اور محدّثین معصوم عن الخطا تھے نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاکِ پا تھے

غیروں سے شکوہ بجا سہی لیکن اعتراض کا جواز تو خود ہم نے غیر مصدّقہ روایات کو اپنا کر فراہم کیا ہے۔ کیا شرفِ انسانیت کے سب سے بڑے علم بردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن پر ہماری کسی غفلت یا کوتاہی سے تو چھینٹے نہیں پڑے؟ جب بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے کی جائے تو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ راوی کون ہے اور روایت کس کتاب میں مرقوم ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ جو کہا

گیا ہے آیا وہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ اس غیر مصدقہ اور مشکوک روایت کو درست مانتے ہوئے ہم نے غلط بنیادوں پر ایک عمارت کھڑی کر دی۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

(جب معمار نے بنیاد کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دی، تو دیوار ثریا ستارے تک ، بھی ٹیڑھی ہی جائے گی)

اس غلط روایت کی ٹیڑھی اینٹ نے تمام عمارت کو ہی ٹیڑھا کر دیا ہے۔ ٹیڑھی اینٹ کو نکال پھینکنے کے بجائے ہم محدّثین سے عقیدت کی بنا پر قرآن کے احکامات کی نفی پر بھی آمادہ ہیں۔ اس روایت کو درست تسلیم کرتے ہوئے:-

ا۔ ہم نے پل بھر کے لیے بھی نہیں سوچا کہ یہ روایت اس وقت تک درست قرار نہیں پا سکتی جب تک سیّدہ عائشہؓ کی اپنی زبان سے مروی متعدد احادیث کا انکار نہ کر دیا جائے۔

ب۔ ہم نے لمحہ بھر کے لیے بھی غور نہیں کیا کہ اس مشکوک اور غیر مصدقہ روایت کو درست ثابت کرنے کے لیے ہمیں قرآنِ مجید کی مرادِ اصلی کے برعکس نابالغ لڑکیوں سے نکاح اور مباشرت کو جائز تسلیم کرنا پڑے گا۔

ج۔ ہم نے لحظہ بھر کے لیے فکر نہیں کی کہ اس روایت کو درست تسلیم کر کے ہم بالواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے متعلق شکوک وشبہات کا مُوجب بن رہے ہیں جب کہ مومن مردوں اور عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایسا گمان بھی نہیں کرنا چاہیے تھا (سورہ نور آیت نمبر 12)۔

د۔ ہم نے ذرہ بھر پروا نہیں کی کہ ہم نے (معاذ اللہ) صاحبِ حدیث صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اہمیت ایک غیر مصدقہ روایت کو دے رکھی ہے جو حضورؐ کی سیرتِ طیبہ اور تعلیمات سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتی۔

135۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خصوصیات

سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 73 کے مطابق، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے، بلکہ غور و فکر کر کے ان احکامات کی پیروی کرتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے متعلق زیر بحث روایت کو مِن و عن درست تسلیم کرنے سے پہلے، اس کے مضمرات کو سمجھیں اور پھر کسی نتیجہ پر پہنچیں۔

136۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہماری غیر متزلزل محبت کا تقاضا کیا ہے؟

احادیث کی کُتب میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ متعدد روایات کی راوی خود سیدہ عائشہؓ ہیں جن کا لقب ہی صدیقہ ہے دوسری جانب چند باطل روایات کے راوی علی بن مسہر کے حوالے سے ہشام بن عروہ ہیں جنہیں امام مالکؒ دروغ گو قرار دے چکے ہیں۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ کون سی روایات مستند ہیں اور کونسی غیر معتبر۔ آج اگر اغیار ان غیر معقول روایات کی بنیاد پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدفِ تنقید بنا رہے ہیں تو ایک امتی کی حیثیت سے ہم نے ایسی وضعی روایات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھ کر مسترد کیوں نہیں کر دیا؟ اگر ایک بے بنیاد اور غیر مصدقہ روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر حرف آتا ہے تو ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ایسی روایت کو زمین پر دے ماریں۔

137۔ محبانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دردمندانہ اپیل

ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا 9 سال والی روایت کی تکرار کر کے کہیں ہم بھی غیر ارادی طور پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت اور اذیت کا موجب تو نہیں بن رہے؟ کیا ہشام بن عروہ کی مبینہ روایت (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے بھی زیادہ اہم ہے؟ میں تمام محبانِ رسولؐ اور دردِ دل رکھنے والوں کو دعوتِ فکر دیتا ہوں اور علماء کرام اور واعظین سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ خود تحقیق کر کے سچ تک پہنچیں اور آئندہ کے لیے اپنے خطبات میں عمرِ عائشہؓ صدیقہ کے حوالے

سے سابقہ مؤقف کا اعادہ نہ کریں۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اس روایت کی صحت کے عقیدے سے تائب ہو جائیں اور شافعِ محشر کی شفاعت سے محروم رہنے کے اسباب فراہم نہ کریں کیونکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ:-

دنیا میں اِحترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰؐ کے بعد

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

مآخذ علمی

قرآنِ حکیم	
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
صحیح مُسلم	مسلم بن الحجاج العشیر ی
سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث الجستانی
سنن نسائی	احمد بن شعیب النسائی
جامع ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی
سنن ابن ماجه	محمد بن عبد اللہ بن یزید بن ماجه
سنن دارمی	ابو عبد الرحمان عبد اللہ بن عبد الرحمان الدارمی
مسند حمیدی	عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی
تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر
کتاب الضعفاء	عقیلی
میزان الاعتدال	حافظ ذہبی
الجرح والتعدیل	عبد الرحمان بن ابی حاتم مروزی
فتح المغیث	حافظ سخاوی
طبقات	ابن سعد
الاکمال فی اسماء الرجال	ولی الدین الخطیب
البدایہ والنہایہ	حافظ ابن کثیر
تقریب التہذیب	حافظ ابن حجر
تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری
سیر الاعلام النبلاء	حافظ ذہبی
السیرۃ	ابن ہشام

کتاب	مصنف
السیرۃ النبویہ	حافظ ابن کثیر
اصح السیر	عبدالرؤف داناپوری
سیرت النبیؐ	شبلی نعمانی
صحابیات	نیاز فتح پوری
سیرت الصدیقؓ	مولانا سعید احمد اکبرآبادی
المسند	امام احمد
سیرت عائشہؓ	سید سلیمان ندوی
الاصابہ فی احوال الصحابہ	حافظ ابن حجر
کشف الغُمّۃ	حکیم نیاز احمد
تحقیق عمرِ عائشہؓ	حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی
اُمّہات المومنینؓ اور مستشرقین	ظفر علی قریشی
فقہہُ القُران	عُمر احمد عثمانی
Our Dialogue	عرب نیوز جدّہ
حیاتِ اُم المومنینؓ	میاں محمد سعید
مُسلمانوں کی مائیں	رازق الخیری
اُمّہات الامہ	ڈپٹی نذیر احمد
تقویمِ تاریخی	عبدالقدوس ہاشمی
اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ	دانش گاہ، پنجاب
رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
الرّحیق المختوم	صفی الرحمن مبارک پوری
تفہیم القران	سید ابوالاعلی مودودی
The Holy Quran	علامہ عبداللہ یوسف علی
پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
حُسنِ قُرآن (دو جلدیں)	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

حبیبۂ حبیب خدا، زوجۂ مصطفیٰ، صدیقہؓ بنتِ صدیقؓ،
صدیقہؓ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت

1۔ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ''میں نے جبرائیلؑ کو دیکھا ہے، اور میرے علاوہ کسی بھی خاتون نے اُنہیں نہیں دیکھا۔ (الاصابہ ۱۸۹)

2۔ امام زُہری فرماتے ہیں ''اگر تمام مردوں کا اور اُمہات المومنین یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے زیادہ ہوگا۔ (الاصابہ)

3۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں ''جب کبھی ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور اُن کے پاس اس مسئلے کا حل ہمیں مل جاتا'' (جامع ترمذی ابواب المناقب)

4۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید (گوشت اور شوربے مین گندہی روٹی) کو تمام کھانوں پر۔ (بخاری ومسلم) (اُس دور میں ثرید سب سے عمدہ کھانا تصور کیا جاتا تھا)

5۔ عُروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں ''میں نے حلال وحرام اور علم شاعری اور طب میں سیدہ عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (الاصابہ)

6۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں ''اللہ کی قسم! میں نے صحابہ کرامؓ کو حضرت عائشہؓ سے فرائض (وراثت) کے متعلق مسائل پوچھتے دیکھا ہے۔ (الاصابہ)

7۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں ''حضرت عائشہؓ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ علم رکھنے والی، اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔ (الاصابہ)

8۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، مجھے سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہؓ جبریلؑ امین آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ تو میں نے جواب میں کہا ان پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت بھی۔

9۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ جنّت میں بھی میری بیوی ہوگی۔ (ابن ابی شیبہ)

10۔ حضرت عبداللہ بن زیادؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے عائشہؓ دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہے۔ (ترمذی)

11۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ سے پوچھا گیا آپ کو سب سے زیادہ پیار کس سے ہے؟ فرمایا عائشہؓ سے پھر پوچھا مردوں میں سے کس سے ہے؟ آپ نے فرمایا عائشہؓ کے باپ ابوبکرؓ سے! (طبرانی کبیر)